تصوف
اور
خواتین اولیاء دہلی
ڈاکٹر محمد حفظ الرحمن

یہ کتاب اردو اکادمی دہلی کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے۔
اس کے مشمولات سے اکادمی کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

تصوف اور
خواتینِ اولیاء دهلی

ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن
ایم۔اے،ایم۔ایڈ،ایم۔فل،پی۔ایچ ڈی،پی۔ڈی ایف (تاریخ)
جامعہ ملیہ اسلامیہ،نئی دہلی

نام کتاب : تصوف اور خواتینِ اولیاءِ دہلی

مصنف وناشر : ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن

صدر: یونیورسل صوفی سنت اسٹڈی اینڈ پیس فاؤنڈیشن، (رجسٹرڈ)
سی۔210، دوسری منزل، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

تعداد : 400

مطبع : نیو انڈیا آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی۔

زیر نگرانی : ایم۔آر۔پبلی کیشنز

10 میٹروپول مارکیٹ، 25-2724 کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی

TASAWWUF AUR KHAWATEEN-E-AULIYA-E-DEHLI

By

Dr. Mohammad, Hifzur-Rahman, (President USSPF)
Universal Sufi-Saints Study And Peace Foundation (Regd.)
C-210, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Cell: 09811219581, 09716332238, E-mail: sspfoundation@gmail.com

Edition :2011
Price: **Rs. 75/-**
Library Edition: Rs. 125/-

Printed & Distributed by

M. R. PUBLICATIONS

Printers, Publishers, Book Sellers & Distributors of Literary Books

10 Metropole Market, 2724-25 First Floor
Kucha Chelan, Daryaganj, New Delhi-110002
Cell: 9810784549, 9873156910
E-mail: abdus26@hotmail.com

انتساب

رابعه عصر بی بی فاطمه سام صاحبه

اور

استاد محترم پروفیسر عزیز الدین حسین همدانی

کے نام

از

ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن

(نیا بھوجپور، بکسر)

تعارفِ مؤلف

نام : ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن

تعلیم : بی۔اے (آنرس تاریخ، پٹنہ)، بی۔ایڈ، ایم۔ایڈ، ایم۔فل، پی ایچ۔ڈی، پی۔ڈی۔ایف مطالعہ (تاریخ)، پی۔جی۔ڈپلومہ ان ماس میڈیا اینڈ کریٹیو رائیٹنگ (ہندی)، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی،

فیلوشپ: جے۔آر۔ایف، پی۔ڈی۔ایف، اسٹڈی گرانٹ اور دو کتابوں کیلئے پبلیکیشن گرانٹ، انڈین کاونسل آف ہسٹوریکل ریسرچ، نئی دہلی سے، ایک کتاب کے لیے قومی کانسل برائے فروغ اردو زبان اور ایک کتاب اردو اکادمی دہلی سے پبلیکیشن گرانٹ ان ایڈ حاصل کیا۔

مشغلہ : ایسوشیئیٹ پروفیسر، الفلاح اسکول آف ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ، دھوج، فرید آباد۔

مؤلف کی دلچسپیاں

تصوف اور صوفیاء کرام، اسلامی فن تعمیر، فن تدریس و تعلیم کا خصوصی مطالعہ و دلچسپی۔اس کے فروغ کے لئے شاہین باغ جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی، میں یونیورسل صوفی سنت اسٹڈی اینڈ پیس فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) کا قیام کرنا تاکہ مسلم معاشرہ میں اخلاقی و روحانی تعلیم کو عام کیا جاسکے۔جس کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ صوفیاء کرام سے متعلق لکھی گئی کتابوں کو جمع کرنا اور ایک اچھی لائبریری کا قیام کرنا۔

۲۔ تعلیمی اداروں کے لئے اخلاقی تعلیم سے متعلق نصاب تیار کرنا۔

۳۔ صوفیاء کرام کے تاریخ واُن کے ملفوظات اور ان سے متعلق دیگر کتابوں کو مرتب کر کے اسے منظر عام پر لانا۔

۴۔ اللہ اور اس کے رسول نیز صوفیاء کرام کے ذریعہ دئے گئے امن کے پیغام کو اخبارات و رسائل نیز الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ عام کرنا اور اس کے لئے ایک رسالہ جاری کرنا۔

۵۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں تعمیر شدہ درگاہوں اور مزارات پر تحقیق کرنا اور ان سے متعلق مواد اکٹھا کرنا نیز ان کے تحفظ کے لئے حکومت اور عوام سے تعاون حاصل کرنا۔

فہرست مضامین

☆☆☆

پیش لفظ

قرون وسطیٰ میں شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی (وفات۔1166ء) کے اسلامی فلسفہ کی ترجمانی کے بعد پوری دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا اور اس کے بعد اسلامی فلسفہ اور اس کے روحانی پہلو پر توجہ دی جانے لگی، شریعت اور طریقت یعنی قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی پر خصوصی توجہ دی جانے لگی تقریباً دو سو سال تک ایک تحریکی نظام کی طرح یہی چلتا رہا جو تصوف یعنی اسلامی روحانیت کا زمانہ تھا، لوگ صوفیائے کرام کے نقش قدم پر چلنے لگے، ہر ماں اپنی اولاد کو ولی بنانا چاہتی تھی، سلطان کی بیٹیاں فقیروں کے ساتھ نکاح کرنے میں اپنی خوش نصیبی سمجھتی تھیں لوگوں کے دلوں میں ایک عجیب نیکی کا جذبہ کارفرما تھا۔ آخرت پانے کی تمنا سلطان و امرا میں بھی جاگ اٹھی تھی چنانچہ وہ اپنی دولت کو غریبوں اور فقیروں میں تقسیم کرنے میں قلبی سکون سمجھتے تھے۔ ہر ماں اپنی اولاد کو اسلامی تعلیم و تربیت دینے کی تمنا رکھتی تھی۔

یہ واضح ہے کہ ماں کی گود اور اس کی تعلیم و تربیت سے ہی ولی اللہ پیدا ہوئے، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، بابا فرید الدین گنج شکر، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری، خواجہ باقی باللہ، شیخ احمد سرہندی، اور شاہ ولی اللہ جیسے مجدد کی فکری و علمی تربیت ماں کی گود سے حاصل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں کی والدہ محترمہ اپنے آپ میں ایک ولی کامل خاتون تھیں، لیکن ان صالح خواتین کا کہیں

بھی ذکر نہیں ملتا ہے۔ ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں ہزاروں صوفیا اور مشائخ کے حالات اور کارنامے ملتے ہیں، لیکن ان بزرگ خواتین کے تذکرے تفصیل سے نہیں ملتے، اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ عورتوں کی زندگی اور ان کی روحانی جدوجہد کی تفصیلات معلوم کرنے کے ذرائع موجود نہ تھے اور قرون وسطیٰ میں پردہ نظام کے تحت یہ ممکن بھی نہ تھا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عورتوں کے حالات کی طرف توجہ بہت کم کی گئی ہے۔ شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی غالباً پہلے مصنف تھے جنھوں نے خدارسیدہ عورتوں کے احوال پر علاحدہ کتاب تصنیف کی تھی۔ بعد میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ کتاب کے آخر میں صالح عورتوں کا ذکر کیا جانے لگا۔ جیسا کہ مولانا جامی نے نفحات الانس میں کیا ہے۔ ہندوستان کے صوفی تذکرہ نگاروں میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام سرفہرست ہے۔ لیکن انھوں نے اس کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا ہے۔

دہلی روحانیت کا مرکز تھا، دہلی نہ صرف سیاسی مرکز تھا بلکہ ہندوستان میں دہلی کو سیاسی دارالحکومت کے ساتھ ساتھ اسلامی دارالحکومت ہونے کا درجہ بھی حاصل تھا۔

ایک طرف دہلی دربار سے ہندوستان کے مختلف علاقوں کے لیے حاکم مقرر کر کے بھیجے جاتے تھے تو دوسری طرف دہلی کی خانقاہوں سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اسلام کے تبلیغ و اشاعت کے لیے خلیفہ مقرر کر کے بھیجے جاتے تھے، یعنی دہلی کو سیاسی اور مذہبی مرکزیت حاصل تھی۔ ایک طرف ہندوستان کے سیاسی نظام کو چلانے کے لیے دہلی کے قلعہ میں دربار لگتا تھا تو دوسری طرف اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے خانقاہوں میں لوگوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔

دہلی پر بہت ساری کتابیں لکھی گئیں خاص کر دہلی کے صوفیا کرام کی تاریخ کو مرتب کرنے کا کام کیا گیا، لیکن دہلی جو ولیوں کا مرکز تھا یہاں مردوں کے علاوہ صالح عورتوں نے بھی دین کا کام انجام

دیا۔لیکن ان بزرگ عورتوں پر اب تک خصوصی توجہ کے ساتھ کوئی مطالعہ نہیں کیا گیا۔ پہلی بار مشہور مورخ خلیق احمد نظامی نے دہلی کی ایک صوفی خاتون بی بی فاطمہ سام پر تفصیلی جائزہ لیا جو 1982 میں 15 صفحہ کی کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی اس کے بعد کسی قلم کار نے اس طرف توجہ نہ فرمائی۔

میں نے 2002ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے دہلی کے صوفیائے کرام کی درگاہوں کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ. ڈی کر کے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی، جس میں 80 درگاہوں کا مطالعہ شامل ہے جو 350 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مطالعے کے بعد سن 2005ء میں میری تین کتابیں شائع ہوئیں، جن کا موضوع ہے۔ مقامات اولیاء دہلی، دہلی کے بتیس خواجہ کی چوکھٹ، مزارات اولیاء دہلی، تصوف اور شیخ ابوبکر طوسی حیدری قلندر عرف مٹکا پیران کتابوں کے شائع ہونے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ دہلی کی خاتون اولیاء پر اب تک کوئی کتاب مرتب نہیں کی گئی ہے، چنانچہ اس کام کو میں نے پورا کرنا نہایت ضروری سمجھا اور اس سلسلہ میں کتابوں کا مطالعہ و تحقیق شروع کر دیا لیکن افسوس اس موضوع پر مواد نہیں ملا، پھر بھی جتنا مل سکا اسے میں نے اپنی اس کتاب میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "شہدا کے خون سے علما کی روشنائی افضل ہے" اس حدیث نے میری زندگی پر اس طرح کا اثر چھوڑا کہ میں اپنا قلم و رقم کو ان صوفیاء کرام و دین اسلام کی نشر و اشاعت پر بہر صورت رواں رکھنا چاہتا ہوں اور اسی جذبے کے تحت تقریباً 20 سے زیادہ کتابیں تحریر میں آچکی ہیں۔ اور انشاء اللہ آگے بھی اس کام کو جاری رکھوں گا۔

اس کتاب میں نہ صرف دہلی کی خواتین اولیاء کے حالات بیان کیے گئے ہیں بلکہ ان مقامات کی موجودہ حالت کیا ہے؟، ان کا مزار کہاں ہے؟، کس حالت میں ہے؟، کتبہ پر کیا لکھا ہے ان ساری باتوں

کا بھی اس میں احاطہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تکمیل میں اپنے استاد محترم پروفیسر عزیز الدین حسین ہمدانی، شعبۂ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی اور علامہ پروفیسر غلام یحییٰ انجم، صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی کا شکر گزار ہوں۔ ان کی مدد ہمیشہ میرے شامل حال رہی ہے۔ ڈاکٹر نفیس عالم کا ممنون ہوں، جنھوں نے اس کام کو کرنے کے لیے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ محمد ارشد بھوجپوری، مولانا مصلح الدین کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کتاب کی تصحیح کرنے میں مدد کی۔ کتاب کی کمپوزنگ ایک بڑا مشکل اور پیچیدہ کام ہے لیکن اسے جلد اور آسان طریقے سے پورا کرنے میں محمد مشہود عالم نے میری بہت مدد کی۔

اپنے بڑے بھائی نور الاسلام، نظام الرحمٰن، حسن امام اور بھتیجا انیس الرحمٰن کی محبت میری علمی خدمات کی بنیاد ہے۔

ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن

صدر: یونیورسل صوفی سنت اسٹڈی اینڈ پیس فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)

شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

مقدمہ

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اس میں مرد عورت، شوہر بیوی، استاد و شاگرد، حاکم و محکوم، خادم و مخدوم، بادشاہ و رعایا اور سب کے حقوق متعین ہیں۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں نہ تو کالے کو گورے پر اور نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اگر کسی کو بارگاہ خداوندی میں تقرب حاصل ہے تو اس کی بنیاد حاکمیت، بادشاہت، استاد ہونا نہیں بلکہ اس کی بنیاد صرف اور صرف تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ جو جتنا زیادہ عبادت گذار اور تقویٰ شعار ہے وہ اتنا ہی مقرب بارگاہ حق اور محبوب پروردگار ہے۔ چنانچہ اگر آپ تاریخ عالم پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بڑے سے بڑے شاہان وقت چلے گئے مگر آج ہم ان کے نام سے واقف نہیں اور بیشتر وہ تہی دامن بھی ہمارے سامنے ہیں جن کے پاس کچھ نہ تھا مگر ان کی حکومت لوگوں کے دلوں پر تھی آج ہم ان کے نام اور کام دونوں سے بھی واقف ہیں اس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں جس نے بھی خدا سے لو لگایا اور دنیا سے نفرت و بیزاری اور خالق سے یاری کا اظہار کیا۔ آج ان کے چاہنے والوں کی کمی نہیں۔ ان کو دنیا سے پردہ کئے ہوئے زمانہ گذر گیا مگر ان کی یادیں اس طرح تازہ ہیں جیسے ابھی کوئی کل کی بات ہو۔ مردان خدا کی بات میں نہیں کرتا ان کے ناموں اور کارناموں سے ورق

ورق روشن ہیں میں ان خواتین کی بات کرتا ہوں جنہوں نے گھر کے اندر رہ کر عبادت وریاضت کے حوالے سے وہ کارنامے انجام دیئے جس کے باعث ان کی شہرت اکناف عالم میں ہے۔خدا سے ان کی والہانہ محبت کی مثالیں دی جاتی ہیں۔بعض خواتین کے بارے میں تو نبی نے یہاں تک فرمایا ہے کہ وہ دنیا کی ساری خواتین میں افضل ہیں۔حضرت انس سے روایت ہے سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں چار عورتوں کو دنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت ہے۔مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ زوجہ فرعون (ترمذی شریف جلد ص ۲۲۷) اگر ان تمام خواتین کی فضیلت کے اسباب بیان کئے جائیں تو دفتر درکار ہوں گے مگر "مشتے نمونہ از خروارے" صرف حضرت مریم بنت عمران جو حضرت عیسی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں کا ذکر کر رہا ہوں تاکہ یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ جس طرح مردوں نے مخلصانہ عبادت اور خدا سے والہانہ محبت کی بنیاد پر خدا کا تقرب حاصل کیا تو اس معاملے میں عورتیں بھی ان سے پیچھے نہیں رہیں۔

عمران کی بیوی نے دوران حمل یہ منت مانی کہ جو بھی بچہ پیدا ہوگا اے خدا اسے میں تیرے مقدس گھر کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی مگر جب لڑکی (حضرت مریم) کی ولادت ہوئی تو تھوڑی وہ پریشان ہوئیں اور پریشان اس لئے ہوئیں کہ جس طرح خانہ خدا کی خدمت لڑکا انجام دے سکتا ہے لڑکی نہیں۔مگر پھر بھی مریم کو سن رشد تک پہنچتے ہی انہیں ان کی والدہ نے ان کے خالو حضرت زکریا کے سپرد کردیا جو ان دنوں بیت المقدس میں امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔وہ عمر کی آخری منزل میں تھے مگر بے اولاد تھے

اس کے لئے وہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ دعائیں بھی کرتے مگر کامیابی نہ ملی جب حضرت مریم ان کے سپرد ہوئیں تو آپ نے ان کے لئے بیت المقدس میں ایک حجرہ ان کی رہائش کے لئے مخصوص کر دیا۔ حضرت مریم صبح وشام اسی حجرہ میں عبادت وریاضت میں مصروف رہتیں اور اسی میں ان کے خورد ونوش کا بھی انتظام رہتا۔ جب حضرت زکریا ان کے حجرہ میں جاتے تو گرمیوں کے موسم کے پھل جاڑوں میں اور جاڑوں کے موسم کے پھل گرمیوں میں پاتے ہیں یہ دیکھ کر ان کو حیرت ہوئی اور سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ بغیر موسم کے پھل دینے پر قادر ہے تو کیا اللہ تعالیٰ مجھے اس بڑھاپے میں اپنی قدر کاملہ سے صاحب اولاد نہیں بنا سکتا ہے؟۔ انہوں نے اسی محراب میں جو حضرت مریم کی جائے عبادت تھی متبرک سمجھ کر نماز پڑھی اور اولاد کیلئے خداوند قدوس سے دعا مانگی اس ایک عورت کی جائے عبادت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کی دعا قبول کرلی اور جیسے ہی انہوں نے اپنی زبان سے کہا رب ھب لی من لدنک ذریة طیبة انک سمیع الدعا ویسے ہی یہ دعا باب اجابت سے ٹکرائی اور ارشاد ہوا فنادته الملائکة وھو قائم یصلی فی المحراب ان اللّٰہ یبشرک بیحییٰ مصدقا بکلمة من اللّٰہ وسیدا وحصوراً وبنیامن الصالحین (آل عمران۔۳۹) (تو زکریا نے اپنے رب کو بولا اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد، بیشک تو ہی ہے دعا سننے والا، تو فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا بیشک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ کا جو اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور ہمیشہ کے لئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے) (کنز الایمان)

شاید یہی سوچ کر آج کل لوگ ان اللہ والوں اور اللہ والیوں کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں کہ جب جہاں یہ اللہ والے عبادت کرلیں وہاں کی جگہ اتنی متبرک ہوجائے کہ لوگوں کی وہاں دعائیں قبول ہوں تو جہاں یہ اللہ والے اور اللہ والیاں خود آرام فرما ہیں وہاں دعائیں کرنے سے ان کی مرادیں کیوں نہ پوری ہوں گی۔اس واقعہ کا ذکر چوں کہ قرآن مقدس نے کیا ہے اس لئے کم از کم ایک کلمہ گو کو اس میں شک وشبہ نہیں ہونا چاہیے۔

یہ ایک عورت کی عبادت کا کمال تھا کہ جس کی جائے عبادت پر دعا کرنے سے دعا کرنے والے کو ایک نبی کی ولادت کی بشارت سنائی گئی۔حضرت مریم کی یہی وہ محاسن وکمالات ہیں جس کی بنیاد پر انہیں دنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت دی گئی اس کے علاوہ ان کی فضیلت اور دوسرے بھی اسباب ہیں جن کا ذکر طوالت سے خالی نہ ہوگا۔ان چار عورتوں کے علاوہ ازواج مطہرات،صحابیات اور پھر بعد کے ادوار میں مومنات وصالحات،عابدات وزاہدات کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں ایک طویل فہرست مل جائے گی جنہوں نے شبانہ روز عبادت وریاضت سے خدا کا قرب حاصل کیا جس کی بنیاد پر وہ دنیا کے لوگوں کے لئے مرجع عقیدت بنیں۔ان میں رابعہ عدویہ بصریہ،سیدہ شعوانہ،سیدہ عمر،سیدہ جوہرہ،بی بی جنت،بی بی نور،بی بی فاطمہ،بی بی زلیخا،بی بی فاطمہ سام،بی بی اللہ عارفہ،بائی جی صاحبہ،خانم صاحبہ،بی بی سارہ،اور دائی حنبل صاحبہ قابل ذکر ہیں۔

اس طرح اور بھی کئی عورتیں ہیں جو اپنی ریاضت اور عبادت کی بنیاد پر آج بھی لوگوں کے لئے مرجع عقیدت ہیں ہر ایک کا ذکر ایک مبسوط کتاب کا متقاضی ہے،بعض کا ذکر زیر نظر

کتاب میں آپ پڑھیں گے یہاں برکت کے طور پر صرف حضرت رابعہ بصریہ جو انتہائی شہرت کی حامل تھیں اوراب بھی ہیں ان کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

حضرت رابعہ بصریہ کی ولادت ۹۵ھ میں ہوئی ،والد ماجد کی چوتھی لڑکی ہونے کی وجہ سے رابعہ نام رکھا گیا۔رابعہ بصریہ نے جب ہوش سنبھالا تو باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا قحط سالی کی وجہ سے آپ کی تینوں بہنیں نہ جانے کہاں جا کر مقیم ہوگئیں ۔عجب نفسی نفسی کا عالم تھا آپ بھی ایک سمت چل پڑیں ایک ظالم نے آپ کو گرفت میں لیکر اپنا باندی بنالیا اوراپنے گھر لاکر بے حد مشقت آمیز کام آپ سے لینے شروع کردیا۔ایک مرتبہ آپ کہیں جارہی تھیں کہ کسی نامحرم کو اپنے سامنے دیکھ کر زمین پر اتنا زور سے گریں کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا اس وقت آپ نے سر بسجود ہو کر عرض کیا کہ یا اللہ میں بے یارو مددگار پہلے سے ہی تھی اوراب ہاتھ بھی ٹوٹ چکا ہے اس کے باوجود میں تیری رضا چاہتی ہوں۔چنانچہ ندا آئی کہ اے رابعہ غمگین نہ ہو کہ کل تجھے وہ مرتبہ حاصل ہوگا کہ ملائکہ بھی تجھ پر رشک کریں گے۔یہ سن کر آپ خوشی خوشی اپنے مالک کے یہاں پہنچ گئیں اورآپ کا یہ معمول رہا کہ دن بھر روزہ رکھتیں اوررات بھر عبادت میں صرف کردیتیں ایک شب جب آپ کے مالک کی آنکھ کھلی تو اس نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا اس وقت ایک گوشہ میں آپ کو سربسجود پایا اور ایک معلق نور آپ کے سر پر فروزاں دیکھا اس وقت آپ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کررہی تھیں اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تمام وقت تیری عبادت میں گذاردیتی۔لیکن چوں کہ تو نے کسی کا محکوم بنادیا ہے اس لئے تیری بارگاہ میں دیر سے حاضری ہوتی ہے ۔یہ سن کر آپ کا آقا بہت

پریشان ہوگیا اور صبح ہوتے ہی اس نے آزاد کر کے یہ کہا کہ اگر آپ چاہیں تو یہیں قیام فرمائیں اور اگر کہیں جانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے۔ یہ سن کر آپ حجرہ سے باہر نکل آئیں اور ذکر و شغل میں مشغول ہوگئیں۔ (تذکرۃ الاولیاء اردو ص ۴۳ دہلی)

انہوں نے صحرا میں خلوت گزینی کی زندگی بسر کی بعد میں وہ بصرہ چلی آئیں جہاں ان کے گرد بہت سے معتقدین اور رفقاء جمع ہوگئے جو ان سے مشورے اور دعائے خیر حاصل کرتے یا ان کی تعلیم سے استفادہ کی غرض سے ان کے پاس آیا کرتے تھے ان لوگوں میں مشہور صوفی مالک بن دینار، درویش صفت رباح القیسی، محدث سفیان الثوری اور صوفی شفیق بلخی شامل تھے (دائرۃ المعارف الاسلامیۃ جلد ۱۰ ص ۹۲ دانشگاہ پنجاب ۱۹۷۳ء)

حضرت رابعہ بصریہ ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتی تھیں آپ کی ولادت کے وقت نہ تو اتنا تیل تھا کہ حجرہ روشن کیا جا سکے اور نہ ہی اتنا کپڑا تھا کہ اس میں آپ لپیٹا جا سکے آپ کے والد ماجد کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا یہی حال رابعہ کا بھی تھا جو مانگنا تھا انہوں نے خدا سے مانگا اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا۔ ایک مرتبہ آپ نے کئی یوم سے کھانا نہیں کھایا جب خادمہ کھانا تیار کرنے لگی تو گھر میں پیاز نہیں تھا اور اس نے پڑوس سے پیاز مانگ لانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ میں برسوں سے اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کیا ہوں کہ تیرے سوا کبھی کسی سے کچھ نہ طلب کروں گی، لہذا اگر پیاز نہیں تو کوئی حرج نہیں آپ کا جملہ پورا ابھی نہ ہوا تھا کہ ایک پرندہ اپنی چونچ میں چھلی ہوئی پیاز لئے ہوئے آیا اور ہانڈی میں ڈال کر اڑ گیا مگر آپ

نے اس کو فریب شیطانی تصور کرتے ہوئے بغیر سالن کے صرف خشک روٹی کھالی۔

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بغرض ملاقات رابعہ کے یہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک ٹوٹا ہوا مٹی کا لوٹا ہے جس سے رابعہ وضو بناتی ہیں اور پانی پیتی ہیں اور بوسیدہ چٹائی ہے جس پر اینٹ کا تکیہ لگا کر استراحت فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا میرے بہت سے احباب مالدار ہیں اگر اجازت ہو تو ان سے آپ کے لئے کچھ طلب کرلوں، آپ نے سوال کیا کہ کیا مجھے اور دولت مندوں کو رزق عطا کرنے والی ایک ہی ذات نہیں ہے؟ تو پھر درویشوں کو ان کی غربت کی وجہ سے اس ذات نے فراموش کر دیا ہے اور امراء کو رزق دینا یاد رہ گیا ہے۔ میں عرض کیا ایسا تو نہیں ہے فرمایا کہ جب وہ ذات ہر فرد کی ضروریات سے واقف ہے تو پھر ہمیں یاددہانی کی کیا ضرورت؟۔ ہمیں تو اسی کی خوشی میں خوشی ہونی چاہئے۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۵۱)

حضرت ربعہ بصریہ تمام رات طلوع فجر تک نماز پڑھتی رہتی تھیں پھر کچھ وقفہ کیلئے مصلیٰ پر لیٹ جاتیں، اچانک گھبرا کر بیدار ہوتیں اور کہتیں کہ اے نفس تو کب تک سوتا رہے گا؟۔ اور عبادت کے لئے نہیں اٹھے گا؟۔ وہ وقت قریب ہے جب ایسی نیند سونا ہے پھر صور قیامت سے ہی بیدار ہوگی ان کی یہی حالت اخیر دم تک رہی، وفات کا وقت قریب آیا تو مجھے بلا کر ان کا جبہ دکھایا اور کہا انتقال کے بعد مجھے اسی کا کفن دینا وہ جبہ وہی تھا جسے وہ تہجد کے وقت پہنا کرتی تھیں۔ چنانچہ میں نے انہیں اسی جبہ اور ایک اونی چادر میں کفن دیا۔ اسی شب مجھے خواب میں نظر آئیں میں نے دیکھا کہ وہ سبز استبرق کا جبہ اور سبز ریشمی اوڑھنی

زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ جبہ اور اوڑھنی کیا ہوئی ؟ ۔فرمایا میرا وہ جبہ اور اوڑھنی سربمہر اعلیٰ علیین میں رکھ دیا گیا ہے تا کہ روز حشر مجھے اس کا ثواب عطا ہو اور رب تعالیٰ نے مجھے اس کے بدلے یہ لباس عنایت فرمایا ہے۔ خادمہ نے پوچھا کہ کیا آپ دنیا میں اسی لئے نیک اعمال کرتی تھیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو ایسی ایسی نعمتیں عطا فرماتا ہے کہ ان کے مقابل اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ خادمہ نے عرض کیا کہ مجھے ایسی کوئی نصیحت کیجئے جس سے مجھے بھی اللہ کا تقرب حاصل ہو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو عنقریب تمہیں قبر میں فرحت و شادمانی حاصل ہوگی۔ (بزم اولیاء بدر القادری ص ۳۲۵)

جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ نے مجلس میں حاضر مشائخین سے فرمایا آپ حضرات یہاں سے ہٹ جایئے ملائکہ کے لئے جگہ چھوڑ دیں چنانچہ جب سب لوگ باہر نکل آئے دروازہ بند کر دیا اس کے بعد اندر سے یہ آواز سنائی دی یاایتھا النفس المطمئنة ارجعی (اے مطمئن نفس مولا کی جانب لوٹ چل) اور جب کچھ دیر کے بعد اندر سے آواز آنی بند ہوگئی تو لوگوں نے جب اندر جا کر دیکھا تو روح قفص عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ مشائخین کا قول ہے کہ رابعہ نے خدا کی شان میں کبھی کوئی گستاخی نہیں کی اور نہ کبھی دکھ سکھ کی پرواہ کی اور مخلوق سے کبھی کچھ طلب کرنا تو درکنار اپنے مالک حقیقی سے بھی کبھی کچھ نہیں مانگا اور انوکھی شان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ آپ کی وفات ابوالعباس عبداللہ بن محمد بنی عباس کے پہلے خلیفہ کے عہد میں ۱۳۵ھ میں ہوا آپ کا مدفن مدس مین ہے۔ (عبدالرحمان چشتی۔ مراۃ الاسرار ص ۲۴۷ جام نور دہلی ۱۹۹۷ء)

اس طرح کے حالات اگران خواتین صوفیاء کے بیان کئے جائیں تو ورق در ورق سیاہ کرنے ہوں گے مگر پھر بھی تشنگی باقی رہے گی۔ مجھے خوشی ہے کہ ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن نے اس حوالے سے دہلی کی خواتین صوفیاء کے حالات جمع کئے اوران خواتین کے حوالے سے جتنا مواد مل سکا اسے حسن ترتیب کے ساتھ اپنی کتاب میں جگہ دی، کسی کا کوئی کام حرف آخر نہیں ہوتا، چراغ سے چراغ جلنے کی روایت بہت پرانی ہے مجھے امید ہے کہ کوئی اسکالراس طرف متوجہ ہوگا اور عہد نبوی سے لیکر عہد حاضر تک جتنی خواتین صوفیاء گذری ہیں سب کے حالات وکوائف مستند مآخذ سے مرتب کر کے سوانحی تصوف میں اضافہ کریگا۔ بہر حال اس حوالے سے دہلی کی خواتین صوفیاء کے حالات وکارنامے عبادت وریاضت کا ذکر مصنف نے جس سلیس لب ولہجہ میں کیا ہے وہ قابل ستائش ہے اس تصنیف پر میں مصنف کو مبارک باد دیتا ہوں اور مستقبل میں ان کی کامرانی کی دعا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کی دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب کو ارباب علم ودانش اور صاحبان تصوف قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

آمین بجاہ حبیبہٖ سیدالمرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

پروفیسر غلام یحییٰ انجم
صدر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

۵/اپریل ۲۰۱۰ء

تصوّف کیا ہے

اسلام کی روح تقویٰ ہے اور تقویٰ کو قائم کرنا ہی تصوّف ہے یعنی تقویٰ کا دوسرا نام تصوّف ہے۔ تصوّف کو مختلف تناظر میں دیکھنے و دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، تصوف روحانیت کا نام ہے یعنی کسی بھی کام کو یقین کے ساتھ دل سے کرنے کا نام ہے۔ جیسا کہ تصوف کے متعلق جب قرآن وحدیث پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی تصوف جس کا دوسرا نام احسان ہے اور جس کی تشریح حدیث میں اس طرح کی گئی ہے۔ حضرت جبرئیل نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کے متعلق سوال کیا تو پیغمبر اسلام نے فرمایا:

ان تعبد الله کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک ''یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرنی چاہیے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھے ضرور دیکھ رہا ہے۔'' یہ ایک صحیح حدیث ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے بیان کیا ہے اور اصل تصوف کا بنیادی مقصد عبادت کے اندر اسی کیفیت کو پیدا کرنا ہے اور رہا سوال اذکار واشغال، مجاہدہ اور ریاضت کا تو یہ نفس کو پاک کرنے کے لیے بطور علاج ہیں کیونکہ بنا تزکیۂ نفس کے انسان کے اندر سے نفس پرستی، لالچ، چوری، حرص، حسد، جلن، بے صبری جیسی علامتوں سے چھٹکارا مشکل ہے۔ اپنے نفس پر قابو پانے کے لیے تزکیۂ نفس ضروری ہے۔ بنا اس کے اللہ کی قربت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرائض میں 'تزکیہ نفس' کو ایک اہم حصہ کی شکل میں اپنا کر عملی طور پر یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ دوسرے

۱۱ ے ۸ ۸ ۵

کی امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیے، اپنے سے کمزور پر رحم کرنا چاہیے، خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہونچانا چاہیے، ظلم کو ظلم سے نہیں بلکہ حسن اخلاق یعنی معاف کر کے ختم کرنا چاہیے۔ اپنے خیالات اور عمل میں ایمانداری ہونی چاہیے، جو آپ اپنے لیے پسند کرتے ہیں اور مناسب سمجھتے ہیں وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرنا چاہیے۔ کم کھانا، کم سونا، صحت کے لیے بہتر ہے، مجاہدہ اور صبر کے ذریعہ زندگی کے اصل مقصد تک پہنچنے کی تعلیم دی ہے اور مذکورہ سبھی باتوں پر عمل کر کے دکھا دیا ہے۔ ان ساری باتوں سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں یہ خصوصیات نہیں تھیں۔ یہ سارے عمل تزکیۂ نفس کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں شامل تھے جسے صوفیاء کرام نے اپنے نبی کے طور طریقے اور عمل کی تشریح کر کے ساری دنیا کو اسلام کے اخلاق اور عملی زندگی سے روشناس کرایا۔ نبی کے اخلاقی و عملی زندگی کو اپنا کر صوفیاء نے دنیا کے مختلف سماجوں کی روح اور دل کو جیت لیا اور انھیں باتوں نے پوری دنیا کو اسلام کے گھروندے میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا۔

''تزکیۂ نفس کی اہمیت کو قرآن کریم میں مختلف مقامات پر واضح کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''بیشک جس نے نفس کو صاف کیا وہ کامیاب رہا اور جس نے اس کو میلا کیا وہ ناکام رہا۔'' اسی طرح ارشاد ہے کہ ''اس دن مال اور اولاد کام نہیں آئے گا، مگر جو شخص اللہ کے پاس سلامت قلب یعنی اطاعت گزار دل لے کر آیا وہی کامیاب ہوگا۔''

تمام مشائخ کا ماننا ہے کہ تصوف انسان اور خدا کے بیچ تعلق پیدا کرنے کی ایک کڑی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں بار بار کہا گیا ہے کہ تم اپنے رب سے محبت کرو، عشق کرو، جو ہم سے محبت کرے گا ہم اسے اس کے گمان سے زیادہ دیں گے۔ قرآن میں ایک جگہ آیا ہے

ہے کہ ''خدا کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت سے ہو کر گزری ہے جو انسان چاہتا ہے کہ خدا سے محبت کرے اسے چاہیے کہ پہلے خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے، جو اپنا مال خدا کی راہ میں نکالتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں، اور اللہ کی محبت میں مسکینوں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارا یہ کھانا کھلانا رب کی خوشنودی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، صرف اس کے لیے یعنی اللہ کے لیے ہے۔'' تو ہم ایسے لوگوں کو ان کی سوچ سے زیادہ اجر دیں گے جتنا کہ ان کے گمان میں بھی نہیں ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ خدا انسان سے کہے گا کہ میں بیمار ہو گیا تھا تم نے میرا حال نہیں پوچھا، میں بھوکا تھا تم نے کھانا نہیں کھلایا۔ انسان تعجب سے کہے گا کہ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ کہے گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کا حال نہیں پوچھا تو اگر اس کے پاس جاتا تو مجھے پاتا، کیا تجھے یاد نہیں کہ میرا فلاں بندہ بھوک سے تڑپ رہا تھا، تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے خیال نہیں کیا تھا، اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ حدیث کے اس بیان کو صوفیوں نے وحدت الوجود سے جوڑ دیا کہ ہر ذرّہ میں خدا موجود ہے۔

اگر تصوف کا صحیح طریقہ سے مطالعہ کیا جائے تو اس کا نچوڑ یہی نکلتا ہے کہ تصوف اپنی زندگی میں اعلیٰ اخلاق کو نافذ کرنے کا نام ہے۔ مشائخ کے نزدیک تصوف کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر بذات خود اچھے اخلاق پیدا کرے، دنیا اور دنیا کی سبھی برائیوں سے بچے اور سارے انسانوں سے بہترین تعلقات رکھے اور انھیں برے کاموں سے روکے اور اچھے

اعمال کی ترغیب دے، یہ کام عبادت سے بھی افضل ہے۔

اس طرح گہرے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تصوف کی ابتدا اسلام کے ان بنیادی اصولوں کو قائم کرنے کے لیے ہوئی جو اسلام کا اصل مقصد تھا۔ اسلام کا واحد مقصد تمام انسانوں کو ایک رشتہ اخوت میں پرو کر سبھی کو بہترین زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرنا ہے۔

انسانیت کے اسی اصول کو قائم کرنے کے لیے خدا نے مختلف انداز میں مذہب کے ذیلی اصولوں کی تشریح کی۔ جیسے خدا کی قربت اور نفس کی پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ نماز ہی ہے۔ غریب اور نادار لوگوں کی زندگی سے جڑنے کے طریقوں جیسے زکوۃ، فطرہ اور عطیہ دینے کا حکم دیا۔ تزکیۂ نفس اور بھوک کی تکلیف کا احساس کرانے کے لیے روزہ رکھنے کا حکم دیا، تاکہ مکمل طور سے نفس کو پاک کرنے کا موقع مل سکے اور ایک انسان کو بھوک جیسی تکلیف کا احساس ہو سکے اور وہ اس احساس کے ساتھ بھوکوں کو کھانا کھلا سکے۔ اسی طرح انسانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لیے حج کرنے کا حکم دیا تاکہ اس زمین کے کونے کونے میں بسنے والا انسان ایک دوسرے سے قریب ہو کر اپنی پریشانیوں اور مسائل کو ایک دوسرے کے سامنے رکھے تاکہ باہمی تعاون سے ان کا حل ڈھونڈا جا سکے۔ اسی وجہ سے حج کو اسلام کا ایک بنیادی رکن قرار دیا گیا۔ اس طرح مذہب اسلام کا پورا ڈھانچہ انسان دوستی، بھائی چارہ پر ہی مبنی ہے جس کو اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے اپنی عملی زندگی میں اپنا کر اس کی تشریح کر دی۔ ان ہی اصولوں کو نافذ کرنے کے لیے تصوف کی ابتدا ہوئی اور ان اصولوں کو نافذ کرنے والے کو صوفی کہا گیا۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا اخلاق بگڑ جانے کی وجہ سے ہی یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے

کہ اسلام کے اصولوں اور مسلمانوں کے عمل میں کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا ہے اور ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ اسلام اور مسلمان دونوں دو الگ چیزیں ہیں۔ آج اسلام کا مطلب مسلمان اور مسلمان کا مطلب اسلام کہنا بہت ہی مشکل ہے، دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا ہے۔ اس کے متعلق مشہور دانشور مولانا مودودی نے اپنے ایک مقالہ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اسلام کا مطلب مسلمان نہیں اور نہ ہی مسلمان کا مطلب اسلام ہے۔ اسلام مکمل طور پر ایک خدائی مذہب ہے جو فطری انداز میں انسان کی فلاح و بہبود کے لیے بنایا گیا ہے اور جو قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لیے قابل عمل ہے۔ مسلمان ایک قوم ہے جو ایک خدا کو مانتی ہے لیکن اب اس کا تعلق اسلامی تعلیمات اور اس کے مقاصد سے ختم ہو چکا ہے اس لیے ہمیں کبھی بھی مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام کی خصوصیات اور عظمت کا اندازہ نہیں کرنا چاہیے، یعنی آج کے مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام کی صحیح تصویر سامنے نہیں آتی ہے اور نہ اس کا دنیا کے دوسرے مذاہب سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

جب بھی مسلمان تصوف کے راستہ سے ہٹا وہ اسلام سے دور ہو گیا اور ایسا لگنے لگا کہ اسلام اور مسلمان دونوں دو الگ چیزیں ہیں جیسا کہ خدا کا فرمان ہے:

تم اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کر دو یعنی اس طرح سے نماز پڑھو گویا کہ تم خدا کے سامنے کھڑے ہو اور خدا تمھیں دیکھ رہا ہے اور تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔

تم اپنے رب سے محبت کرو اللہ تم سے بے پناہ محبت کرتا ہے، یعنی تم اگر ہم سے محبت کرنا چاہتے ہو ہمارے بندوں سے محبت کرو۔

حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم جو اپنے لیے پسند یا بہتر سمجھتے ہو وہی اپنے بھائی

کے لیے پسند کرو۔

جو بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے پیار نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

تم اپنے بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آؤ۔

تم تقویٰ قائم کرو اور اپنے نفس کی اصلاح کرو یعنی اپنی خواہشات پر قابو رکھو۔

اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ بے شک جس نے اپنے نفس کی اصلاح کی اور خواہشات پر قابو رکھا وہ کامیاب ہوا۔

نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے دنیا سے محبت کے متعلق کہا کہ: تم ایک مسافر ہو، دنیا تمھاری اصلی جگہ نہیں ہے، تمھاری اصل جگہ آخرت ہے، جہاں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ ایک مسافر کے پاس اپنے سفر کے لیے جتنا سامان ہونا چاہیے، اتنا ہی سامان تم اس دنیا کے لیے اکٹھا کرو۔

تم اپنے مال اور وقت کو عمارت کی تعمیر پر مت خرچ کرو بلکہ اسے اپنی تعلیم اور اخلاق سنوارنے کے لیے خرچ کرو۔

جب جب مسلمانوں نے مذکورہ باتوں کو اپنانے میں پس و پیش کیا یا اس پر عمل نہیں کیا تو وہ اسلام سے دور ہوتے چلے گئے اور ان کا تعلق اسلام سے نہیں رہا اور یہ لگنے لگا کہ اسلام اور مسلمان دونوں دو الگ چیزیں ہیں۔

☆☆☆

تصوف اورصوفیاءکرام سے مسلمانوں میں اختلاف کےاسباب

علماء اورصوفیاء کے اختلاف اوراس کے اسباب

زمانۂ وسطیٰ میں دہلی سلطنت سے مغلوں کے زمانہ تک (تیرہویں صدی عیسوی سے اٹھاہویں صدی عیسوی تک) پورے ہندوستان میں صوفیاء کی بالا دستی قائم رہی۔علما طبقہ ہمیشہ صوفیاء سے حسد کرتارہا،وجہ یہ تھی کہ صوفیاء کی پکڑ پورے ہندوستانی سماج پر تھی،چاہے ہندو ہوں یا مسلمان،عورت ہو یا مرد،سادھو ہو یا فقیر،سب صوفیاء کی خانقاہ میں موجود ہوتے تھے۔اور یہ صوفیاء حضرات سبھی کے ساتھ بلاامتیاز یکساں معاملہ کرتے تھے۔ان کی خانقاہوں میں سبھی مذاہب اورفرقہ کے لوگ ہوتے تھے۔ہندوستان میں خانقاہ ہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں سبھی مذاہب اورفرقے کےلوگ چاہے ہندوہوں یا مسلمان،سادھوہو یا فقیر،سپاہی ہو یا وزیرسب کے سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے،یہاں کسی طرح کا کوئی بھید بھاؤ نہیں ہوتا تھا۔ روزانہ ان صوفیاء کی خانقاہوں میں لوگوں کی بھیڑلگی رہتی تھی۔

اسی بھیڑکودیکھ کرسلطان ہمیشہ خوفزدہ رہتے تھے کہ ان صوفیا کی خانقاہوں میں سبھی طبقوں کے علاوہ ہمارے سپاہی اور وزیر بھی موجود رہتے ہیں۔یہ صوفیاء کبھی بھی ہماری سلطنت کا تختہ پلٹ سکتے ہیں۔ایک بارسلطان غیاث الدین بلبن کسی خانقاہ میں پہنچا اور وہاں لوگوں کے جمگھٹ کودیکھا تو کہا کہ سچائی تو یہ ہے کہ ہندوستانی سماج پرتو حکومت ان صوفیاء کی

ہے، میری حکومت تو صرف ایک مخصوص طبقہ تک محدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سلطان کی سلطنت پر صوفیاء کا دبدبہ بنا رہا۔ صوفیاء نے سلطنت سے اپنا تعلق نہیں رکھا اور نہ کبھی سلاطین کے دربار میں گئے اور نہ ان کے نذرانوں کو قبول کیا۔ حکومت کے کام کاج سے ہمیشہ اپنے کو دور رکھا لیکن سلطان کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کیلئے ان صوفیاء نے ہر سیاسی مرکز کو ہی اپنا مرکز بنایا۔ جس طرح زمانہ وسطیٰ میں ہر سلطان نے دلی کو اپنا سیاسی مرکز بنایا اور یہیں سے سارے ہندوستان پر حکومت کرتے تھے ٹھیک اسی طرح صوفیاء نے بھی دلی کو ہی اپنا مرکز بنایا اور یہیں سے پورے ہندوستان میں اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے کام کیا۔

کوئی بھی سلطان یا بادشاہ ان صوفیاء سے ٹکراؤ نہیں چاہتا تھا، کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ ان سے ٹکرانے کا مطلب ہے سلطنت کی تباہی۔ لیکن علماء جو دربار میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، ہندوستانی سماج اور سلطان کی نظر میں وہ عزت اور مقام نہ پا سکے جو صوفیاء کرام کو حاصل تھا، یہی وجہ تھی کہ علماء ان سے حسد کیا کرتے تھے اور اس تاک میں رہا کرتے تھے کہ کسی بھی طرح ان صوفیاء کے کام اور سلوک غیر مناسب ٹھہرا نہیں کر ذلیل کیا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے انہوں نے سلطان کو ہمیشہ صوفیاء کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی اور کبھی کبھار وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔

غیاث الدین بلبن کے زمانے میں سیدی مولا نام کے ایک مشہور صوفی بزرگ تھے جن کی خانقاہ میں ہزاروں لوگ روزانہ کھانا کھایا کرتے تھے، ان کی خانقاہ میں ہر وقت لنگر چلتا رہتا تھا۔ ان کی شہرت کو دیکھ کر درباری علماء نے سلطان سے کہا کہ یہ لوگوں کو سلطنت کے خلاف بھڑکا رہے ہیں، اور ان کی خانقاہی بھیڑ سے سلطنت کو کسی بھی وقت خطرہ پہنچ سکتا

ہے۔ آخران کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آتا ہے۔ اتنے پیسے تو سلطنت کے پاس بھی نہیں ہیں کہ ہر دن ہزاروں لوگوں کو کھلایا جاسکے۔ چنانچہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ان درباری علماء کے بہکاوے میں آکر سلطنت کے خلاف سازش کرنے کے الزام میں 'سیدی مولاؒ' کو ہاتھی سے کچلوادیا۔ 'سیدی مولاؒ' کے انتقال کے بعد آسمان کالا ہوا تھا اور دلّی میں دو سال تک ایک بوند بھی بارش نہیں ہوئی، قحط پڑ گیا اور لوگ بھوکے مرنے لگے۔

اسی طرح سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے درمیان علماء نے جھگڑا پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن علاء الدین خلجی یہ سمجھتا تھا کہ یہ علماء شیخ سے جھگڑا کرا کر ہماری سلطنت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اس نے ایسی غلطی نہیں کی۔ لیکن اس کا جانشین قطب الدین مبارک شاہ (1316-1320ء) جو ایک نوجوان بادشاہ تھا درباری علماء کے بہکاوے میں آکر شیخ نظام الدین اولیاء سے الجھ گیا۔ ہوا یوں کہ سلطان کے دربار میں نیا چاند دیکھنے کی خوشی کے موقع پر شہر کے تمام علماء، صوفیاء اور امراء اسے نیا چاند دیکھنے کی مبارک باد دینے جایا کرتے تھے۔ لیکن شیخ نظام الدین اولیاء دربار میں کبھی نہیں جاتے تھے۔ بلکہ اپنی طرف سے اپنے ایک خادم کو بھیج دیا کرتے تھے۔ اس بات کی شکایت درباری علماء نے سلطان سے کی کہ شیخ نظام الدین اولیاء اپنے کو سلطان سے بھی اوپر سمجھتے ہیں، کبھی سلطان سے ملنے یا ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو مبارک باد دینے نہیں آتے، اپنی جگہ ایک غلام کو بھیج دیتے ہیں۔ علماء کی شکایت پر سلطان قطب الدین خلجی نے شیخ نظام الدین اولیاء کے پاس یہ حکم نامہ لکھ کر بھیجا کہ اس مہینے کا نیا چاند دیکھنے کے موقع پر پہلی تاریخ کو دربار میں ضرور موجود ہوں، ورنہ ہم جیسے چاہیں گے آپ کو بلوالیں گے۔ اس حکم نامہ کو سن

کر دلّی کے بڑے بڑے صوفیاء آئے اور شیخ نظام الدین اولیاء کو سمجھایا کہ سلطان نوجوان ہے اور کم عقل ہے، اس لئے آپ دربار میں حاضر ہو جائیں، ورنہ اگر وہ اپنے سپاہیوں کو بھیج کر آپ کو ایک قیدی بنا کر دربار میں حاضر کرے گا تو ہم سب کی توہین ہوگی۔ یہ سن کر شیخ نظام الدین اولیاء خاموش رہے اور کہا ''دیکھئے اللہ کی طرف سے کیا ظہور آتا ہے''۔ لوگ یہ سمجھے کہ یہ دربار میں پہنچنے کے لئے راضی ہو گئے۔ لیکن شیخ نظام الدین اولیاء نے یہ عہد کر لیا تھا کہ ہم کسی بھی حالت میں سلطان کے دربار میں حاضر نہیں ہوں گے۔ چاند کی ۲۹ تاریخ کو رات میں اپنی ماں کے مزار پر پہنچے اور کہا ''اے میری ماں! میں تجھ سے بہت پیار کرتا ہوں، سلطان نے ہمیں دربار میں حاضر ہونے کی دھمکی دی ہے، اگر وہ اپنے اس قول میں کامیاب ہو گیا تو اب میں آپ سے ملنے کبھی نہیں آؤں گا'' اتنا کہہ کر شیخ نظام الدین اولیاء اپنی خانقاہ میں لوٹ آئے۔ چاند کی ۲۹ تاریخ کے رات میں جب سلطان سو رہا تھا تو اس کے وزیر اعظم خسرو نے اس کا سر کاٹ کر قلعے کے باہر پھینک دیا۔ اس طرح سلطان نیا چاند نہیں دیکھ سکا اور شیخ نظام الدین اولیاء اس کی توہین سے بچ گئے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق (1387-1351ء) کے زمانے میں دلّی میں 'احمد بہاری' نام کے ایک صوفی بزرگ تھے، جن کی خانقاہ دلّی میں خاص طور سے مشہور تھی۔ ان کی خانقاہ کا لنگر ہمیشہ چلتا رہتا تھا، ہزاروں لوگوں کو یہاں ہر روز کھانا ملتا تھا۔ ان کی خانقاہ میں لگی بھیڑ اور ان کی شہرت دیکھ کر علماء حسد کرنے لگے اور فیروز شاہ تغلق سے یہ شکایت کی کہ احمد بہاری کی خانقاہ میں روز ہزاروں لوگوں کو کھانا ملتا ہے اور وہ انا الحق یعنی خود کو خدا کہتے ہیں۔ سلطان نے احمد بہاری کو عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا، اور درباری لوگوں نے

کفر کا فتویٰ لگا کر انہیں قتل کرا دیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع مشہور صوفی شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری کو ملی تو انہیں دلی تکلیف پہنچی اور وہ دلّی آئے اور سلطان فیروز شاہ تغلق سے کہا کہ آپ احمد بہاری کو نہیں پہچان سکے کہ اللہ سے ان کا کتنا گہرا تعلق تھا۔ یہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے بھی ایک قدم آگے تھے اور کہا کہ اب آپ کی سلطنت محفوظ نہیں رہ سکتی ہے، اللہ ایسی سلطنت کو جلد ہی ختم کر دیتا ہے۔ شیخ شرف الدین منیری نے تغلق خاندان کی حکومت کے زوال کی پیشن گوئی کر دی اور جب فیروز شاہ تغلق کے بعد اس کا لڑکا گدی پر بیٹھا تو دہلی پر تیمور لنگ نے حملہ کر دیا اور ہمیشہ کے لئے تغلق خاندان ختم ہو گیا اور دہلی پر سید خاندان کی حکومت قائم ہو گئی۔

اورنگ زیب کے زمانے میں داراشکوہ کے گہرے دوست شاہ سرمد جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ننگے بیٹھے رہتے تھے۔ دلّی کی عوام ان کی معتقد تھی۔ درباری علماء نے اورنگ زیب کو شاہ سرمد کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ پہلے تو یہ کہا کہ شاہ سرمد داراشکوہ کے گہرے دوست ہیں اور یہ دہلی کی عوام سے مل کر حکومت کے خلاف بغاوت کرا سکتے ہیں۔ دوسری شکایت یہ کی کہ شاہ سرمد ہمیشہ بغیر کپڑوں کے رہتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ ان دونوں باتوں پر اورنگ زیب نے کوئی خاص دھیان نہیں دیا۔ اس کے بعد علماء نے ایک نیا منصوبہ بنایا اور اورنگ زیب سے کہا کہ شاہ سرمد اسلام کا پورا کلمہ نہیں پڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک عجیب سی بات ہے۔ اورنگ زیب نے شاہ سرمد کو عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ شاہ سرمد اورنگ زیب کے دربار میں حاضر ہوئے۔ علماء نے ان سے کلمہ پڑھنے کے لئے کہا انھوں نے اپنی عادت کے مطابق 'لا الہٰ' کہا۔ علماء نے کہا

پورا کلمہ پڑھو ورنہ کفر کا فتویٰ دے کر تمہیں قتل کروا دیا جائے گا۔ شاہ سرمد نے کہا کہ میں ابھی پورا کلمہ پڑھنے کے لائق نہیں بنا ہوں، ابھی حالتِ نفی میں ہوں، اس لئے میں ابھی اسے کیسے پورا کر سکتا ہوں، جو صحیح طور سے عمل میں نہیں آ پایا ہے اسے میں اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتا ہوں اگر پورا کلمہ پڑھوں گا تو جھوٹ ہو جائے گا۔ اس بات پر علماء چلّا اٹھے، تم کافر ہو۔ سرمد پر کفر کا فتویٰ لگا کر ان پر قتل کا حکم جاری کر دیا۔ شاہ سرمد کو 1659ء میں جامع مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے قتل کر دیا گیا۔ ان کا سر جسم سے الگ ہوتے ہی تین بار پورا کلمہ ''الا الٰہ الاّ اللّٰہ محمدالرّسول اللّٰہ'' پڑھا اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر ان کے استاد ہرے بھرے شاہ نے شاہ سرمد کو وہیں رکنے کا حکم دیا، ان کا کٹا سر وہیں رک گیا، اور ٹھنڈا پڑ گیا، اس واقعہ کے بعد اورنگ زیب کو چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ پوری زندگی دکن کی جنگ میں الجھا رہا اور 87 سال کی عمر میں دکن میں لڑتے لڑتے اس کا انتقال ہو گیا۔ دہلی کے تاج وتخت کا آرام اسے نصیب نہیں ہو سکا۔ اس کے انتقال کے بعد مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔

علماء صوفیاء کے ساتھ ایسا کس لئے کرتے تھے؟ وجہ یہ تھی کہ وہ مسلم سماج پر اپنی پکڑ بنانا چاہتے تھے اور مسلم سماج پر صوفیاء کی پکڑ تھی۔ صوفیاء سلطنت سے تعلق رکھنا نہیں چاہتے تھے، ہمیشہ سلطان اور اس کے دربار سے دور رہتے تھے، جسکی وجہ سے علماء کو مختلف درباروں میں مذہبی مشیر کی حیثیت سے جگہ ملتی رہی، مسلم سماج پر علماء کی پکڑ نہیں تھی اور نہ ہی سلطان پر ان کا کوئی اثر تھا۔ صوفیاء دربار سے دور ہوتے ہوئے بھی سلطان کی نظر میں قابل احترام بنے رہے، اسی وجہ سے علماء صوفیاء سے حسد کرتے تھے۔

علماء دین اور علماء دنیا

علماءدوطرح کے تھے۔'علماءدین' جودین کوسامنے رکھ کراپنی زندگی کوگزارنا چاہتے تھے۔ان کا ہرعمل دنیاپانے کے لئےنہیں بلکہ آخرت یعنی مرنے کے بعدوالی زندگی کےنقطۂ نظرہوتا تھا۔وہ اپنی نفسیاتی خواہشات کے مطابق کام نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کے حکم اوررسول کی سنت کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔ایسے علماء سلطان کی چاپلوسی سے دوررہے اوران کے دربار سے اورخودکودربار سے دوررکھا،جیسے شیخ شرف الدین یحیٰ منیری، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ جمالی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ احمد سرہندی، خواجہ باقی باللہ، شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ اسماعیل شہید، شاہ عبدالعزیز، مولانااشرف علی تھانوی اورعلی میاں ندوی وغیرہ یہ سبھی علمائے دین تھےجن کی پوری زندگی اسلام کی نشرواشاعت اورتقویٰ یعنی تصوف پرمبنی تھی۔

دوسراگروہ علمائے دنیا کا تھا۔جنہوں نے اپنانفس، اوراپنا ساراعلم دنیاپانے کے لئے لگادیا۔اپنی خواہشات کو پوراکرنے کے لئے شریعت کواپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا، غیرشرعی عمل کوبھی شرعی بتایا۔سلطانوں اور بادشاہوں سےانعامات حاصل کرنے کیلئےان کی مرضی کےمطابق شریعت کی تشریح کی۔بادشاہ اورسلطان کےغیرشرعی کام کوشرعی بتایااوراس کے بدلے اونچے مرتبے اورمنصب حاصل کئےجس سےان کودولت اورزندگی کی ساری آسائشیں حاصل ہوگئیں، یہ گروہ ہمیشہ صوفیاء کےخلاف تھااورتصوف کوغلط سمجھتا تھا۔

انگریزوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مذہبی اور ثقافتی تہذیب کا خاتمہ

۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف مسلمانوں نے کھل کر حصہ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں زبردست نقصان اٹھانا پڑا، لاکھوں کی تعداد میں قتل کیے گئے، جن میں علماء اور صوفیاء کو انگریزوں نے بطور خاص نشانہ بنایا۔ مسلمانوں کے سبھی مذہبی اور تعلیمی مراکز چاہے وہ خانقاہ ہوں یا مدرسے زمین بوس کردیے گئے۔ مسلمانوں کے چھ سوسالہ مذہبی وثقافتی نظام کو تہ وبالا کرڈالا۔ نتیجتاً ہندوستان سے خانقاہی نظام ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ انگریز جانتے تھے کہ مسلمانوں کی روحانی پرورش خانقاہوں میں ہورہی ہے جس کی وجہ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوتے جارہے ہیں۔ اگر انھیں ختم نہیں کیا گیا تو ہماری عیسائی مشنری ہندوستان میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی ہے چنانچہ انگریزوں نے خانقاہی نظام کو ہمیشہ کے لئے ختم کرڈالا۔

خانقاہوں کا زوال اور مدرسوں کا قیام اور مسلمانوں پر اس کے اثرات

انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں ہندوستان کے مسلمان اپنی مذہبی تعلیم کے تئیں بیدار ہوئے اور دیوبند میں دارالعلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا گیا اور دوسرا مدرسہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نام سے لکھنؤ میں قائم کیا گیا۔ دھیرے دھیرے اس کے ساتھ اعظم گڑھ، سہارن پور اور دیگر مقامات پر مدرسے قائم کیے گئے، ان مدرسوں سے لاکھوں کی تعداد میں عالم، فاضل، قاری اور حافظ پیدا ہورہے ہیں، لیکن یہاں سے نکلنے والوں کی عملی زندگی میں

اسلامی تعلیمات یعنی تقویٰ کا رنگ نہیں جھلکتا ہے۔ان کے اندر نہ تو دین کی سمجھ پیدا ہورہی ہے اور نہ ہی ان کے اندر اعلیٰ اخلاق وکردار کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔اتنا ہی نہیں یہاں کے کچھ طالب علم جو عالمیت کی سند حاصل کر کے دنیا کی طرف اس طرح مائل ہوئے کہ اپنا لباس اور اسلامی شناخت کو بدل ڈالا ڈاڑھی کرتا پائجامہ چھوڑ کر انگریزی لباس اختیار کر کے مختلف روزگار جیسے فلمی دنیا میں بھی جانے میں انہیں کوئی قباحت نہیں ہوئی۔آخر ایسا کیوں؟ ایسا اس لئے کہ ان مدرسوں میں ایک اسکول کی طرح طے شدہ نصاف پڑھایا جاتا ہے اور سالانہ امتحان لے کر انہیں ڈگریاں دے دی جاتی ہیں۔اس تعلیم کا اثر اس شخص کی زندگی پر پڑا کہ نہیں، وہ تعلیم کی روشنی سے منور ہوا کہ نہیں، اس کے کردار اور اخلاق میں اس تعلیم کا اثر ظاہر ہوا کہ نہیں، ان ساری باتوں کی طرف بالکل توجہ نہیں دی جاتی بلکہ انھیں سالانہ نصاب پڑھا کر عالم، فاضل کی ڈگریاں دے کر انھیں فارغ کر دیا جاتا ہے۔

زمانۂ وسطیٰ کی خانقاہوں میں دی جانے والی تعلیم کا یہ مقصد نہیں تھا کہ انھیں طے شدہ نصاب پڑھا کر عالم، فاضل کی ڈگری دے کر انہیں فارغ کر دیا جائے۔ان خانقاہوں میں دی جانے والی تعلیم کا اصل مقصد یہ تھا کہ طالب علم کو اسلام کی صحیح سمجھ آجائے اور اسکی عملی زندگی اسلام کے مطابق ہو جائے، اس کے ہر عمل اور کردار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اخلاق وکردار دکھائی دے ۔ جب تک یہ کیفیت خانقاہ کے طلباء میں نہیں پیدا ہوتی تھی اسے اسلام کی تعلیم دینے کا سرٹیفکٹ نہیں دیا جاتا تھا۔مدرسے میں دی جانے والی تعلیم میں اخلاق وکردار اور اسلامی تہذیب وتمدن پر خاص توجہ نہیں دی جاتی ہے۔اسکے برعکس خانقاہوں میں دی جانے والی تعلیم میں عملی پہلو پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی اور اس میں پختگی اور

مضبوطی لانے کیلئے ایک لمبے عرصے تک محنت (ریاضت ومجاہدہ) کرائی جاتی تھی ۔صوفیاء کا ماننا ہے کہ اسلام کی تعلیم کیلئے ہمارے نبی نے کوئی ادارہ قائم نہیں کیا بلکہ اپنے عمل اور کردار سے قرآن کی تعلیم لوگوں تک پہنچائی۔یہی وجہ ہے کہ خانقاہی نظام کی عملی تعلیم وتربیت زیادہ مؤثر ثابت ہوئی۔

اسی تعلیم کو لوگوں میں راسخ کرنے کیلئے جگہ جگہ خانقاہیں قائم کی گئی تھیں ۔جہاں کے فارغ خلیفہ اپنے کردار کے ذریعہ اسلام کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے۔

لیکن مدرسے کی تعلیم میں اس طرح کی کیفیت نہیں دکھائی دیتی ہے۔کیونکہ اسلامی تعلیم ایک طے شدہ نصاب پڑھ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام کی صحیح سمجھ پیدا کرنے اور عملی زندگی میں نافذ کرنے کا نام ہے۔ایک عالم،اسلام کا محافظ اور نبی کا وارث ہوتا ہے جب تک اس کی عملی زندگی میں نبی کی سنت اور اسلام کی سمجھ نہ دکھائی دے وہ نبی کا وارث کیسے ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس طرح کے علماء جب مدرسوں سے پیدا ہوں گے تو اسلام کی تصویر کیا ہوگی؟ وہی ہوگی جو آج ہم سب دیکھ رہے ہیں،مسلمانوں میں ہر طرف پامالی ہی پامالی دکھائی پڑتی ہے۔آج نہ ہماری عبادت میں تقویٰ ہے اور نہ عمل میں ایمانداری،آج نہ ہمارا اخلاق اچھا ہے اور نہ ہی کردار درست ہے۔اس سلسلے سے علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ:

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا

کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

خانقاہ اور صوفیاء کرام کی شبیہ کو خراب کرنے میں درگاھوں کا رول

جب ہندوستان میں خانقاہوں کا زوال ہوا تو خانقاہوں کی جگہ درگاہوں نے لے لی۔ ہندوستان میں کچھ درگاہوں میں بیٹھنے والا مجاور اپنے آپ کو صوفی کہنے لگا، جس کا کام درگاہوں پر بیٹھ کر قبروں پر پھول اور چادر چڑھوانا اور لوگوں سے نذرانہ کی شکل میں پیسہ وصولنا ہے۔ دعا کرنے اور مرادیں پوری ہونے کے نام پر لوگوں سے پیسہ لینا اور ان پیسوں سے اپنا اور اپنے خاندان کی پرورش کرنا ہی ان کا اصل مقصد ہے۔ کیا صوفیاء ایسے تھے؟ ان کا طرز عمل ایسا ہی تھا؟ نہیں بالکل نہیں۔ یہ صوفیا اپنی خانقاہ کو چلانے کے لئے نذرانہ تو لیتے تھے، لیکن کسی سے مانگتے نہیں تھے یا مرادیں پوری ہونے کے لئے دعا کرنے کے نام پر پیسہ نہیں لیتے تھے۔ ان کی خانقاہ میں آنے والے نذرانے کی رقم سے ہر وقت لنگر چلتا رہتا تھا، جس سے ہزاروں غریبوں اور فقیروں کی پرورش ہوتی تھی۔ اس پیسے سے صوفیاء کرام اپنا اور اپنے گھر والوں کی پرورش کا بندوبست نہیں کرتے تھے بلکہ سارا پیسہ خدا کے بندوں پر خرچ کر دیتے تھے، اور اپنی ساری زندگی بندوں کی خدمت میں صرف کر دیتے تھے۔ انسانیت ان کا مذہب تھا۔ لیکن ان درگاہوں پر بیٹھنے والا مجاور جو اپنے آپ کو صوفی کہتا ہے اور لوگوں سے پیسے لیکر اپنی اور اپنے خاندان کی پرورش کرتا ہے۔ ان کے اس عمل سے تصوف اور صوفیاء کرام کی شبیہ خراب ہوئی ہے اور اس سے صوفیاء کرام کے نیک عمل سے دور ہوتے چلے گئے ہیں اور یہ سمجھنے لگے ہیں کہ صوفیاء کرام انہیں کی طرح تھے۔ بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ موجودہ وقت کے مسلمان ان درگاہوں کو خانقاہ سمجھنے لگے ہیں اور پر بیٹھے مجاور کو پیر سمجھنے لگے ہیں اس بات کو تصوف مخالف علماء نے بنیاد بنا کر تصوف اور صوفیاء کرام کے خلاف ایک

محاذ کھڑا کر دیا ہے اور لوگ تصوف اور صوفیاء کرام کی اصل تعلیمات کے بیگانہ ہو گئے ہیں۔

تصوف اسلام کی روحانیت کا نام ہے

تصوف کوئی مذہب و مسلک یا مکتب فکر کا نام نہیں ہے جیسا کہ مختلف لوگوں نے اسے مذہب یا مسلک، یا مکتب فکر کی حیثیت سے دیکھنے کی کوشش کی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ تصوف اسلام کی روحانیت ہے جو چند مخصوص علماء کو اللہ نے اس نور سے نوازا، جس طرح سے قرآن کے نور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی زندگی نے پوری دنیا کو منور کر دیا اسی طرح تصوف امام غزالی، امام ابوحنیفہ، شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی، شیخ علی ہجوری المعروف داتا گنج بخش، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ شرف الدین احمد بن یحیٰ منیری، حضرت سید محمد گیسودراز، شیخ احمد سرہندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی، جیسے علمائے کرام کی زندگی اوران کی علمی کارنامے تصوف پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ہی پوری دنیا میں قابل قدر ہوئے ہیں۔ تصوف ایک ایسی روحانیت سے بھرالفظ ہے جو کسی بھی شخص کے دل میں یا اس کے عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد اسے نمایاں کر دیتا ہے جو بھی علمائے کرام تصوف کی طرف مائل ہوئے ان کی شخصیت نمایاں ہوگئی جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ تصوف نے ہی مولانا روم کی مثنوی اور علامہ اقبال کی شاعری کو وہ مقام عطا کیا جو دیگر مفکر شاعر نہ پاسکے، اس طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ تصوف اسلام کی اس روحانیت کا نام ہے جو کسی کے اندر پیوست ہو کر اسکا رنگ بدل دیتا ہے اور اس کی شخصیت پورے عالم میں ایک جداگانہ حیثیت حاصل کر لیتی ہے۔ ☆☆☆

اکیسویں صدی کے ہندوستانی مسلمانوں کا اسلامی نظریہ

اکیسویں صدی کے موجودہ ہندوستانی مسلمانوں کا اسلامی نظریہ بالکل بدل چکا ہے، اسلام کے لیے جذبۂ قربانی اور اللہ کے بندوں سے محبت اور جانثاری کا جذبہ ان کے اندر سے ختم ہو چکا ہے، ان کا مذہب مادہ پرستی، مطلب پرستی اور خودغرضی پر مبنی ہے جو اسلام ہی نہیں بلکہ کوئی بھی مذہب اس طرح کی سوچ رکھنے اور عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو تہذیب وتمدن سے بھری ایک خوشحال سماجی زندگی تعمیر کرنے کی نظریہ کو زندگی میں قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے جس میں مادہ پرستی اور خودغرضی جیسی علامت کا کوئی گنجائش نہیں، وہ کہتا ہے کہ تمھیں جو کچھ بھی ملتا ہے وہ تمھارے مقدر سے ملتا ہے، کوشش سے نہیں، اگر کوشش سے ملنا ہوتا تو سبھی اپنی منچاہی زندگی گزارنے میں کامیاب ہو جاتے۔

اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

☆ ''دنیاوی ساز وسامان اتنا رکھو جتنا کہ ایک مسافر اپنی سفر کے دوران اپنی ضرورت کی چیزیں اپنے ساتھ رکھتا ہے'' لیکن آج کا مسلمان دنیاوی ساز وسامان حاصل کرنے میں زیادہ مصروف ہے۔

☆ ''اپنی مال اور دولت کو اسلام پر اور علم حاصل کرنے پر خرچ کرو'' لیکن آج کا مسلمان اپنا مال اور دولت اپنی نفسیاتی خواہشات پر خرچ کرتا ہے۔

☆ ''اگر کسی مسلمان کے تکلیف و درد کو دیکھ کر ایک مسلم کا دل تڑپ نہ جائے وہ اس کے مدد کے لیے بے قرار نہ ہو جائے وہ مسلمان نہیں''۔ آج کے مسلمانوں کا دل کسی مسلمان

کے تکلیف کو دیکھ کر نہیں تڑپتا ہے۔ اسے اپنے سے ہی فرصت نہیں تو دوسروں کیلئے اس کا دل کس طرح تڑپے گا۔

☆ ''دنیا کے مسلمان ایک جسم کے مانند ہیں اگر اس کے کسی حصے میں میں درد ہو تو اس درد کا احساس پورے جسم کو ہوتا ہے'' لیکن آج کا مسلمان صرف اپنے لیے جیتا ہے، دوسرے سے اس کا کوئی مطلب نہیں۔

☆ ''ایک مسلمان کی عزت و مال ایک دوسرے مسلمان سے محفوظ ہو''۔ لیکن آج کے مسلمانوں سے ایک دوسرے مسلمان کی عزت اور مال محفوظ نہیں ہے۔ وہ ہر وقت اپنے مسلمان بھائی کی عزت و مال کو پامال کرنے کی تاک میں لگا رہتا ہے۔

☆ ''جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو یا مناسب سمجھتے ہو وہی دوسرے کے لیے بھی مناسب سمجھو''۔ لیکن آج کا مسلمان صرف اپنے فائدہ کی بات سوچتا ہے۔

☆ ''جو عمل دوسرے کا تمھیں برا لگتا ہے اس طرح کا عمل تم دوسرے کے ساتھ نہ کرو'' لیکن موجودہ مسلمان اس کا خیال نہیں رکھتا ہے۔

☆ ''جو بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے پیار نہیں کرتا ہے وہ مسلمان نہیں''۔ لیکن آج کے معاشرہ میں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

☆ ''دنیا میں تمھیں دنیا پانے کے لیے نہیں بلکہ آخرت پانے کے لیے بھیجا گیا ہے'' لیکن آج کا مسلمان دنیا حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔

☆ ''کسی بیمار کی عیادت کرنا یا اس سے ملنے جانا سب سے بڑی عبادت ہے''۔ لیکن آج لوگ اپنی ماں باپ کی عیادت نہیں کرتے دوسروں کا خیال کیا کریں گے۔

☆ ''جب تمھاری بیٹیاں بلوغت تک پہنچیں تو ان کے لیے لڑکا دیکھنا شروع کر دو اور

جب وہ بالغ ہو جائیں تو فوراً ان کی نکاح کر دو اس میں تاخیر نہ کرو۔'' لیکن آج کے مسلمانوں کو اس کی کوئی پرواہ نہیں، اپنی 20 سال کی لڑکی کو بچی سمجھتا ہے جبکہ حضرت عائشہ کی شادی 11 سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی اور وہ مکمل طور پر بالغ تھیں۔ لاکھوں لڑکیاں جن کی عمر 35 پار کر چکی ہے بغیر نکاح اپنے گھروں میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ موجودہ دور میں شادی مشکل اور زنا کاری آسان ہوگئی ہے۔

☆'' اسلام کی نظر میں وہی بڑا یعنی افضل ہے جس کے اندر تقوی اور پرہیزگاری ہے''۔ لیکن آج کے زمانے میں بڑا اور افضل وہ ہے جس کے پاس دولت اور طاقت ہے۔

اوپر بیان کی گئی پیارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر موجودہ مسلمان قائم رہنے میں ناکام ہیں اور اس طرح کا معاشرتی نظام بنالیا ہے کہ اسے اس پر قائم رہنا ممکن بھی نہیں ہے، پھر بھی اس دنیا میں اپنے آپ کو مسلمان بن کر دکھانا چاہتا ہے تو اس کے لیے اس نے ایک مستحکم راستہ چنا وہ یہ کہ تمام برائیاں کرتے رہو لیکن نماز پڑھتے رہو، مسجد کی تعمیر کثرت سے کرو، داڑھی رکھو، حج کو جاؤ، تاکہ زمانہء حال میں اسلام قائم رہنے کی دلیل دنیا والوں کے سامنے باقی رہ سکے۔ اسلام کی روح تو تقویٰ ہے جو موجودہ مسلمانوں کے زندگی میں قائم نہ رہ سکا۔ کم از کم اس کے ڈھانچہ کو ہی بچانے کی کوشش کو جاری رکھا جائے۔

بڑی افسوس کی بات ہے کہ موجودہ مسلمان حدیث، قرآن اور شریعت کی بات کرتا ہے اور ایک دوسرے سے خود کو افضل مسلمان سمجھتا ہے، صوفیائے کرام کو غیر اسلامی قرار دیتا ہے، جب کہ اسے خود پتہ نہیں کہ وہ اسلام کے دائرہ سے باہر ہے۔

مسلمان ہونے کا مطلب روزہ، نماز، زکوۃ، حج ادا کرنا نہیں بلکہ مسلمان ایک ایسے

کردار کا نام ہے، جو جھوٹ نہیں بولتا، دھوکا نہیں دیتا، چغلی نہیں کرتا، وفاداری اس کی پہچان ہے جو کہتا ہے وہ کرتا ہے، اپنے قول سے کبھی مکرتا نہیں، ظلم نہیں کرتا اور ناظلم کو برداشت کرتا ہے، ظلم چاہے اس کے ساتھ ہو یا کوئی دوسرے کے ساتھ کر رہا ہو اسے روکتا ہے، اسے نظر انداز نہیں کرتا۔ یہ ہے ایک مسلمان کی پہچان اور اس کا کردار۔ اسی کردار پر مسلمان پوری دنیا میں ہر قوم پر غالب ہوئے، اس کردار کے بنا پر انھیں ہر جگہ عزت و مرتبہ حاصل ہوا، لیکن اکیسویں صدی کے مسلمان کا کردار و پہچان بالکل اس کے برعکس ہے، اس کا کردار و پہچان روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ اور اس کے ساتھ جھوٹ، فریب، مکاری، ظلم، چغل خوری اور بے ایمانی بن چکا ہے۔ اب یہ کسی بھی طرح سے سماج میں بھروسے کے قابل نہیں رہ گیا ہے۔ اس لیے سماجی طور سے یہ پوری طرح سے ناکام ہو چکا ہے اور ہر مقام پر ناکامی، رسوائی اس کا مقدر بن چکی ہے۔ ہندوستان میں اسلام مسجد کی میناروں سے، مؤذن کی آذانوں سے، درگاہوں کے گنبدوں سے اور صوفیوں کے مزاروں سے زندہ دکھائی دیتا ہے مسلمانوں کے کردار و عمل سے نہیں۔

صوفیاء کرام نے اسلام کے بنیادی تقاضے اور اس کے مقاصد کو سمجھنے کی کوشش کی، کہ اس زمین پر قائم و غالب رہنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنے کردار کو بلند کرنا ہوگا، سچائی، ایمانداری قائم کرنا، غیبت، چغل خوری، ظلم و تشدد اور دھوکا دھڑی جیسے عمل سے خود کو محفوظ رکھنا ہوگا، تبھی ایک اچھے معاشرہ کی تعمیر ہو سکے گی۔ اور اسی بنیاد پر کسی بھی سماج و قوم میں عزت و برتری حاصل کی جا سکتی ہے، ان کی یہ سمجھ رنگ لائی اور وہ اچھے اخلاق اور کردار سے پوری دنیا میں اسلام کے پیغام پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ اور ہر جگہ وہ ہر قوم میں انھیں عزت و اعلیٰ مقام حاصل ہوا۔ اور یہ مقام ان کے مرنے کے بعد بھی قائم رہا۔

صوفیاء کرام نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان کبھی مرتا نہیں ہے، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔اس کی عزت وحرمت تا قیامت باقی رہتی ہے۔

جس طرح ایک انسان کی آنکھ، ناک، کان اور دیگر اعضا کو ملا کر جسم انسانی کہا جاتا ہے لیکن ان سب کو چلانے یعنی حرکت دینے والی چیز روح ہے، اگر جسم سے روح نکل جائے تو جسم کا پورا حصہ حرکت کرنا بند کر دیتا ہے اور اس خوبصورت اور صحت مند جسم کا کوئی مول نہیں رہ جاتا ہے۔ٹھیک اسی طرح اسلام میں کلمہ، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج یہ سبھی ارکان اسلام کے باہری ڈھانچہ ہے اور اس کا روح تقویٰ یعنی تصوّف ہے۔اگر دین سے یہ نکل جائے تو دین بے جان ہو جائے گا، مذہب چاہے جتنا اچھا ہو اگر اس میں تقویٰ نہیں ہے تو وہ بے جان ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی سے جب تقویٰ نکل گیا تو اسلام مذہب بے جان ہو کر رہ گیا اور ساری برائیاں دنیا والوں کو اسلام کے اندر دکھائی دینے لگیں۔جب کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات کو قائم کرنے والا فطری مذہب ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کو رہنمائی کرتا رہے گا۔

اکیسویں صدی کا ہندوستانی مسلمان اسلام کو مکمل نظام حیات کی حیثیت سے قبول کرنے اور اسے سمجھنے میں نا کام ہیں اس کی توجہ معاشی زندگی کو مضبوط کرنے اور آرام و آسائش کے سامان کو حاصل کرنے کی کوشش کو اپنا بنیادی مقصد سمجھ لیا اور مذہب اسلام کو صرف کلمہ ونماز پڑھنے تک اپنی زندگی میں قائم رکھا ہے اور اس بات کا پیغام دیتا ہے کہ کلمۂ توحید یعنی ایمان پر جس کا خاتمہ ہوگا وہ جنت میں ضرور جائے گا، باقی برائیوں اور کوتاہیوں کو اللہ اپنے رحم وکرم سے معاف کر دے گا، اکیسویں صدی کے علما بھی کلمہ توحید اور نماز کو اسلام کی بنیاد مان کر اس کی تعلیم پر زیادہ زور دینے لگے۔حقوق العباد یعنی بندوں کے

حقوق و فرائض کو بھول گئے ،کلمہ ،نماز ،روزہ ،زکوۃ اور حج یہ اسلام کے بنیادی کھمبے ہیں جسے عملی زندگی میں لاکر اپنے اخلاق و کردار کو درست کر کے ایک اچھے معاشرہ کی تعمیر کرنا یہی اسلام کا تقاضہ ہے۔ موجودہ مسلمان اسلام کے اس فلسفہ اور بنیادی حقوق اس کی بنیادی تقاضوں اور اسلام کے مقاصد کی طرف غور و فکر نہیں کرتا اور نا ہی اسلام کی کتابوں کو مطالعہ کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام صرف کتابوں میں دکھائی دیتا ہے، مسلمانوں کے عملی زندگی میں نہیں۔

صوفیائے کرام اسلام کو کتابوں کے ذریعہ یا حدیث لوگوں کو سنا کر نہیں بلکہ قرآن اور سنت کو عملی طور پر اپنا کر لوگوں میں اسلام کی وضاحت کی، کہ اسلام کیا ہے، اسلام کا نظام حیات کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، کی سنت کو نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا، یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے بعد انھی صوفیاء کرام نے جگہ جگہ خانقاہیں قائم کر کے پورے دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ دہلی میں چار سو خانقاہیں قائم تھیں جہاں اسلام کی تعلیمات کے علاوہ غریبوں، فقیروں اور مسافروں کو حلقۂ تعلیم کے ساتھ دو وقت کا کھانا مل جایا کرتا تھا۔ لوگ خانقاہوں میں جا کر غریبوں وفقیروں کا حق پہنچایا کرتے تھے جس کی وجہ سے ہر دن لنگر چلتا رہتا تھا، کوئی بھی مسلمان سڑکوں و گھروں میں جا کر بھیک نہیں مانگتا تھا۔ کیونکہ اسے دو وقت کی روٹی آسانی سے خانقاہوں میں مل جایا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ تیرہوین صدی سے بیسویں صدی تک ہندوستانی مسلمان صوفیائے کرام کی محفل اور اس کے آستانہ مبارک پر اپنی حاضری سے قلبی سکون پاتے تھے، مراقع دہلی کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی والے ان بزرگوں کے آستانے پر حاضری دینا تبرک اور قلبی سکون کا ذریعہ سمجھتے تھے، لیکن افسوس 1947 میں ملک کے بٹوارے کے بعد دہلی والے دہلی چھوڑ کر پاکستان

چلے گئے اور انھیں کے ساتھ دہلی کی روحانیت بھی ختم ہوگئی۔آج دہلی کی درگاہوں پر بیٹھے مجاوران بزرگوں کی حرمت سے ناواقف ہیں، وہ لوگ صرف روٹی حاصل کرنے کی فکر میں ہیں، ان بزرگوں پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے۔یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر بزرگوں کی مزاریں ناپید ہوتی جارہی ہیں اور دہلی کا اسلامی کلچر ناپید ہوکر رہ گیا ہے۔

موجودہ وقت میں دہلی میں ایک بھی خانقاہ نہیں ہے جہاں سے اسلام کی نشرواشاعت کے ساتھ غریبوں وفقیروں اور بے سہارالوگوں کو دو وقت کی روٹی مل سکے۔یہ کام اب گرودوارہ میں ہورہا ہے، وہاں لنگر چلتا ہے جہاں غریبوں و بے سہارا کو دووقت کی روٹی مل جایا کرتی ہے۔موجودہ وقت میں خانقاہی نظام نہ ہونے کی وجہ سے غریب و بے سہارا مسلمان اپنا پیٹ بھرنے کے لیے جگہ جگہ بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔

انھیں باتوں کے مدنظر میں نے دہلی کی درگاہیں، مقاماتِ اولیا، دہلی، دہلی کے بتیس خواجہ کی چوکھٹ، مزارات اولیا اور تصوف اور خاتین اولیا، دہلی، تصوف اور شیخ ابوبکر طوسی حیدری قلندر عرف مٹکا پیر، تصوف اور صوفیوں کا کردار عمل اور مسلمانوں میں اختلاف کے اسباب، جیسی کتابوں کو اپنی تحقیق کے ذریعہ لکھا اور اس تحقیقی کام کو آگے بڑھانے کے لیے دہلی کے شاہین باغ، جامعہ نگر میں ایک صوفی مطالعاتی فاؤنڈیشن کا قائم کیا تا کہ ہندوستان کے تمام علاقوں کے صوفیاء کرام کی تاریخ کا مطالعہ کیا جاسکے اور صوفیائے کرام کی اخلاقی تعلیمات کو عام لوگوں تک پہنچایا جاسکے۔

اس طرح اسلامی نظریہء تمدن اور ایک اچھے معاشرے کی تعمیر کرنے کے نظرئے پر غور کرتے ہیں تو ہندوستان کے تمام مسلمان اسلام کی معاشرتی زندگی قائم کرنے میں پوری طرح سے ناکام ہیں۔لیکن اس کے ڈھانچہ کو بچانے کے لیے سبھی فکر مند ہیں۔اور اپنے

اپنے طرح سے کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جیسے:

☆ اہل حدیث فرقہ حکومت سعودی عرب کی مدد سے قرآن چھپوا کر تقسیم کر کے اور لوگوں کو اس پر قائم رہنے کا پیغام دے کر اسلام کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن تقویٰ اور پرہیزگاری جیسے عمل کو اپنی زندگی سے دور رکھنا چاہتا ہے، تقویٰ اسلام کی روح ہے جس کو صوفیاء کرام نے اپنے عملی زندگی میں زیادہ اہمیت دی، اس لیے صوفیاء کرام کے عمل سے خود کو دور رکھنا چاہتا ہے۔

☆ جماعت اسلامی ہند اسلامی تعلیمات اور اس کے افکار و نظریات کو کتابوں کے ذریعہ پھیلا کر اسلام کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن اسے عملی طور پر کیسے زندگی میں قائم کیا جائے اس پر غور و فکر نہیں کرتا۔

☆ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے ماننے والے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بلند کرنے کی کوشش کو اسلام سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کی سنتوں کو عملی طور سے نہیں اپناتے ہیں۔

☆ تبلیغی جماعت والے گشت کرنا، جماعت میں جانا و نماز سیکھانے جیسے عمل کو اسلام سمجھتے ہیں۔ لیکن اپنے اخلاق و برتاؤ میں کوئی تبدیلی لانے کی کوشش نہیں کرتے۔

☆ کچھ لوگ صوفیاء کرام کی عظمت کو بلند کرنے کی کوشش کو اسلام سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کے عملی زندگی کو اپنے زندگی میں لانے کی کوشش نہیں کرتے۔

☆ دیوبند اور ندوہ جیسے ادارے حافظ و عالم پیدا کرنے اور مختلف پہلوؤں پر فتویٰ جاری کرنے کے عمل کو اسلام سمجھتے ہیں۔ لیکن اسلام کے روحانی پہلو کی تعلیمات سے اپنے طلباء کو آشنا نہیں کراتے۔

☆ شیعہ حضرات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عظمت کو بلند کرنے کی کوشش کو اسلام سمجھتے ہیں۔لیکن امت محمدی سے قومیت کا رشتہ اپنی عملی زندگی میں قائم کرنے کا خیال نہیں رکھتے۔

☆ جمعیۃ علمائے ہند سیاست میں حصہ داری بنانے و مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کی کوشش کو اسلام سمجھتا ہے۔لیکن قوم کی سیاست میں بھاگیداری بنانے میں پوری طرح ناکام ہے۔

☆ مسلمانوں کا ایک طبقہ جو نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے وہ اسلام کی انسانیت، انصاف پرستی و حقوق العباد جیسے بنیاد کو اپنے زندگی میں قائم رکھ کر اسلام کا ظاہری ارکان روزہ، نماز اور حج جیسے عمل سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے۔جس کی وجہ سے مسلم سماج سے ان کا تعلق نہیں بن سکا اور وہ قوم و مسلم سماج کی اصلاح کرنے میں ناکام ثابت ہوئے۔

اس طرح لوگ الگ الگ طریقہ سے اسلام کی اشاعت کی کوششیں کر رہے ہیں۔یہ سبھی لوگ دینِ محمدی کی ہی پیروی کرنے والے ہیں، تو پھر آپسی اختلاف کیوں رکھتے ہیں، ایک دوسرے کو کافر و مشرک کیوں سمجھتے ہیں۔آپسی نفاق کیوں پیدا کرتے ہیں،۔حقیقت تو یہ ہے کہ ہم سبھی اسلام کی معاشرتی و سماجی زندگی کو جس کی بنیاد اچھے اخلاق اور بلند کردار کی تعمیر کرنا ہے، کو اپنے پیروں سے پامال کر رہے ہیں ادر انفرادی فرقہ بنا کر ذاتی طور سے اپنے طریقے سے دین کی اشاعت کرنا ہی اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں جو دین محمدی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان آپسی نفاق کے شکار ہو گئے ہیں، پیسہ ان کا ایمان بن چکا ہے کیوں کہ یہ پیسے سے سب کچھ ہوتے دیکھ رہے ہیں، ایمانداری و اچھے اخلاق و کردار کو عملی زندگی میں لا کر دو وقت کی روٹی بھی نہیں مل سکتی ہے، موجودہ نئی نسل کی یہ سمجھ بن چکی ہے یہی وجہ ہے کہ موجودہ نسل میں تہذیب و تمدن اور ادب و سلیقہ نام کی چیز دکھائی نہیں دے رہی ہے جب کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی فتح ان کے اچھے اخلاق و کردار کی بنا پر ہوئی، یہی ان کا سرمایہ ہے، جسے نئی

نسل کھوتی جارہی ہے۔

اردو زبان کا ادب و معاشرہ کوسکھانے میں اہم رول رہا ہے، لیکن موجودہ مسلمان اپنے بچے کو انگریزی زبان پڑھانا چاہتا ہے اردو نہیں، کیوں کہ وہ اس طرح کی تعلیم اپنے بچے کو دینا چاہتا ہے جس سے وہ زیادہ سے زیادہ پیسے کما سکے۔ اسے جلد نوکری مل سکے۔ اسے زندگی گزارنے کے لیے پیسے کی ضرورت ہے۔ ادب، معاشرہ اور مذہب کی نہیں، اس کا پورا ایمان اور عملی زندگی کا نظریہ (Food is God) روٹی ہی خدا ہے، یعنی زندگی کا مقصد پیسہ ہے، مذہب نہیں پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ معاشرتی نظام میں رشتہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے، کوئی کسی کا نہیں ہے، باپ بیٹی اور باپ بیٹے، ماں اور بیٹے، بیوی اور شوہر کے رشتے، سبھی کے سبھی مطلب پرستی کے رشتہ پر چل رہے ہیں، مسلمان اپنے بیٹے اور بیٹیوں کو اس لیے اعلیٰ تعلیم دے رہے ہیں کہ اسے نوکری جلد مل جائے گی۔ بیٹا نوکری پا کر شادی ہوتے ہی والدین سے الگ ہو جاتا ہے اور بیٹیاں کما کر گھر چلاتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کے والدین اس کی شادی نہیں کرتے، اس کی زندگی کیسے گزرے گی نہیں سوچتے بلکہ پوری عمر گھر بیٹھا کر اس کی کمائی کھاتے ہیں اور اس کے ارمانوں کا گلہ گھونٹ دیتے ہیں اور بعض مسلمان دنیا والوں کو دکھانے کیلئے اور اپنی بیٹی کی باغیانہ عمل سے بچنے کیلئے اس کی شادی تو کر دیتے ہیں لیکن کوئی بہانا بنا کر جلد ہی طلاق بھی لڑکے سے لے لیتے ہیں اس دوران ایک اولاد بھی پیدا ہو جاتا ہے جس کے ساتھ لڑکی اپنا دل لگا کر زندگی بسر کرتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کی ایک عورت چار ماہ سے زیادہ اپنے شوہر سے الگ رہ کر اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکتی ہے، لیکن اب مسلمان کی بیٹیوں کو شوہر کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اب اس کی ضرورت آسانی سے گھر ہی میں پوری ہو جاتی ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا

تھا کہ ایسا بھی زمانہ آئے گا جو اپنے ہی اولاد کی زندگی کو برباد کر کے مسلمان عیش وعشرت کی زندگی گزارے گا۔ ویسے اس طرح کی مثال دیگر قوموں میں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔اس طرح کے سوچ رکھنے والے مسلمان اسلام کے پردہ ولڑکیوں کے بالغ ہوتے ہی شادی کر دینے کے حکم کو اور دیگر سماجی نظام کو برا سمجھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے ملک میں ہی ان کا کوئی وقار و مقام نہیں ہے۔ایک معمولی بی جے پی کا فرد انھیں ذلیل وخوار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور ان کے پاس اس کا جواب نہیں ہوتا ہے، کیونکہ ان کا اپنا کوئی تعلیمی وفکری نظریہ نہیں ہے۔اس لیے یہ کہیں بھی کسی بھی مقام پر اسٹینڈ نہیں کر پاتے۔

اس طرح جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ اندازہ لگتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے نبی کے فرمانوں کو اپنے قدموں سے کچل کر اسے نا قابل عمل ثابت کر دیا ہے پھر بھی بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم کافروں سے افضل ہیں جنت میں ہم ہی جائیں گے،کلمہ ہمیں جنت میں لے جائے گا،کلمہ پڑھ کر ہم جنت کا حقدار بن جائیں گے،علماء بھی یہی کہتے ہیں کہ مسلمان چاہے جتنی برائی کرے وہ جنت میں ضرور جائے گا،علماء کی اس سمجھ اور پیغام سے مسلمان حق اور ناحق، نیکی اور بدی، بھلائی اور برائی میں فرق کی تمیز کو کھو بیٹھے اور اشرف المخلوقات ہونے کے تقاضہ کو بھی بھول گئے۔شیخ علی ہجویری لکھتے ہیں کہ علماء جاہل ہیں وہ شریعت کو جانتے ہیں پہنچانتے نہیں،علماء جانتے ہیں کہ کلمہ پڑھنے والا جہنم میں نہیں جائے گا لیکن وہ کلمہ کے تقاضے کو نہیں پہنچانتے کہ کلمہ پڑھنے والے کا سب کچھ بدل جاتا ہے،وہ وہ نہیں رہتا جو کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔

موجودہ وقت میں مسلمانوں کی نظر میں کسی بھی انسان کی قدر و قیمت اسکے تقویٰ و پرہیزگاری اور اس کے جذبۂ قربانی،اس کے کارنامے کے بنا پر نہیں ہے بلکہ اسکی آمدنی

اور معاشی حالت کے بنا پر ہے ،شیعہ ،سنّی ، دیو بندی، بریلوی،قادیانی ،اہل حدیث،اہل قرآن جیسے فرقے کا تعصب اور سید،شیخ ،پٹھان ،انصاری برادری کی تعصب کے علاوہ زبان اور علاقائیت کا تعصب اس حدتک ہے کہ اس تعصب کے چشمہ (نظریہ) نے کسی شخص کی نیکی قربانی اور کارنامے کونظرانداز کررکھا ہے جس سے مسلمان آپسی نفاق کا شکارہوتے جارہے ہیں اوران کے اندرسے اتحادو باہمی تعلقات جیسی خصلتیں ختم ہوتی جارہی ہیں۔اس طرح کی سوچ اورنظریہ اسلام کوقطعی پسندنہیں ہے،کسی بھی انسان کواسکے فرقے ،ذات پات اورعلاقائیت کے بناپر دیکھاجائے اوراس بناپر اسکوعزت وقدردی جائےتواس طرح کی سوچ رکھناسراسرغیرانسانی وغیراسلامی ہے۔اوراس طرح کی بیماری کا شکارسب سے زیادہ اترپردیش کے مسلمان ہیں ۔ہندوستان میں تعصب پرستی کے فتنے کا مرکزاترپردیش ہے جہاں پر دنیا کے تمام فتنے پروان چڑھتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔جس کے شکارتمام ہندوستانی مسلمان ہوئے ،جس کا نتیجہ یہ ہواکہ آج ہندوستانی مسلمانوں کا کوئی قائدنہیں ہےاور یہ کسی کواپنا قائد ماننے کیلئے تیاربھی نہیں ہیں۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہرمسلمان اپنے آپ کوقائدسمجھتا ہےاسے کسی قائدکی ضرورت نہیں ہے، وہ انفرادیت میں اپنی کامیابی دیکھتا ہے اجتماعیت میں نہیں،اوراس طرح کے نظریہ کی بنیادتعصب پرستی ہے۔

کال مارکس کے نظریہ ہنر،مشین اورمعاشی ترقی نے پوری دنیا کو بدل ڈالا،اس کا اثرسب سے پہلے یوروپ پر پڑا،اس نے اپنے مذہب کوچھوڑکراپنے لئے ایک نیا مذہب بنایاجس کا وجودمن چاہی زندگی پرمبنی ہے،دنیا میں خوب موج ومستی کرو،زندگی ایک بارملی ہےدوبارہ نہیں ملے گی ،مذہبی پابندیوں کے ساتھ موج مستی سے بھری خوشحال زندگی نہیں

گذاری جاسکتی اسی نظریہ کے تحت پورے یوروپ والوں نے اپنا ایک الگ سماجی نظام بنایا جس پر عمل پیرا ہوکر دنیا والوں کے سامنے خود کو ایک کامیاب اور ترقی پسند ملک ہونے کا دعویٰ پیش کیا۔

اوراب یہی سوچ مسلمانوں کی بھی بنتی جارہی ہے وہ بھی اسلام کی پابندیوں سے بھری زندگی کو چھوڑ کر یوروپ والوں کی طرح من چاہی اورخوش حال زندگی بسر کرنے کی فکر میں لگے ہیں اور اس کیلئے کوشش بھی کرر ہے ہیں ۔جس طرح عیسائی اپنی بائبل کو چھوڑ کر اپنے آپ کو کرسچن کہتے ہیں اسی طرح قرآن کو چھوڑ کر مسلمانوں نے بھی اپنے آپ کو مسلمان کہنا شروع کر دیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو دیکھتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر موجودہ مسلمانوں کا صحابہ اکرام اور صوفیاء اکرام کے اخلاق وکردار اور اسلام کے لیے جذبۂ قربانی سے موازنہ کیا جائے تو تمام صحابہ اکرام وصوفیاء اکرام پاگل اور مجنوں دکھائی دیتے ہیں، اوران کی زندگی کو دیکھتے ہوئے اگر موجودہ مسلمانوں کو دیکھا جائے تو یہ کہیں سے بھی قطعی طور پر مسلمان نہیں دیکھائی دیتے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے معاشی حالات کا جائزہ لینے کے مقصد سے کانگریس حکومت نے ۲۰۰۵ء میں ایک سروے کروایا جو سچّر کمیٹی کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کمیٹی نے اپنے سروے رپورٹ میں کہا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی معاشی حالت ہریجن طبقہ کے برابر پہونچ چکی ہے ۔لیکن جب میں نے ہندوستان کا دورہ کیا تو خاص کر بہار، بنگال، اترپردیش، دہلی اور ہریانہ کے مسلمانوں کو پایا کہ یہاں کے مسلمانوں کی تہذیب وتمدن اور اخلاق وکردار ہریجن طبقہ سے بھی نیچے گر چکا ہے ان کا لباس اور رہن سہن بھلے ہی

ہریجنوں سے صاف ستھرہ اوراعلی دکھائی دیتا ہولیکن انکی روح کنگال ہوچکی ہے اور پیسہ ان کا مزاج ب اورایمان بن چکا ہے۔

موجودہ وقت میں منافق اور مسلمان میں فرق کوسمجھنا مشکل ہوچکا ہے موجودہ مسلمان اخلاق اور بات سے تو مسلمان دکھائی دیتا ہے لیکن جب کردار وعمل کی بات آتی ہے تو وہ بدل جاتا ہے،اس طرح کا عمل کرنا منافقت کی پہچان ہے،منافق کافروں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں کیوں کہ وہ دھوکے باز ومکار ہوتے ہیں ان کی پہچان مشکل ہے،منافق سے تو اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پناہ مانگی ہے

جب میں نے بہار، بنگال اوراتر پردیش کی خانقاہوں کا دورہ کیا تو پایا کہ یہاں ایک نام نہاد خانقاہ قائم ہیں ان میں علمی مجلسیں یالنگر کا کوئی اہتمام نہیں ہے،اوران خانقاہوں سے اب مسلمانوں کا کوئی تعلق یا دلچسپی نہیں ہے،اگر ہے تو صرف دعا وتعویذ کے لئے ہے، یہاں کے گدّی نشیں اپنی معاشی زندگی کے لئے نوکری کرتے ہیں یاتعویذ لکھ کر اپنا گذارا چلاتے ہیں،اب لوگوں کی رہنمائی ودینی تربیت کا کام یہاں نہیں چل رہا ہے،مسلمانوں کا دین سے بے رغبتی کا عالم یہ ہے کہ یہ مقام جہاں لوگ اکٹھا ہوکر دینی وروحانی تعلیم حاصل کرنے کیلئے یہاں آتے تھے اور وہاں کے خرچ کے لئے غلّہ یا رقم بھیجا کرتے تھے لیکن اب یہاں خاموشی اور مایوسی کی سی حالت بن چکی ہے۔اب خانقاہوں کی جگہ درگاہوں نے لے لی ہے یہاں لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے لوگ اپنی حاجت پوری کرنے کیلئے یہاں حاضر ہوتے ہیں اور موجودہ مسلمانوں کی حاجت اب علمی شعور،تہذیب وتمدن اور آخرت نہیں ہے بلکہ دنیاوی حاجت بن چکی ہے جسے حاصل کرنے کیلئے وہ درگاہوں پر دعاء کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔دعاء قبول ہونے کیلئے یہاں کے سجّادہ کو پیسہ دیتے ہیں تاکہ ان کی دعا سے ان کی مرادیں پوری

ہوجائیں۔ یہاں کے سجادہ کی آمدنی بھی اچھی ہے، وہ خوشحال بھی دکھائی دیتے ہیں، لیکن یہاں کی آمدنی سے اسلام کی نشرواشاعت یا غریبوں ومسکینوں کا کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے بلکہ یہاں کے خادم کی روزی روٹی ان غریبوں سے ہی چل رہی ہے، کیونکہ درگاہوں پر زیادہ تر غریب اور مجبور مسلمان ہی حاضر ہوتے ہیں۔

یہ ایک تنقیدی مطالعہ نہیں ہے بلکہ موجودہ صورت حال کا جائزہ ہے، جوایک سچائی ہے جسے دیکھنے سمجھنے کی ضرورت ہے اور غوروفکر کر کے مسلمانوں کی سماجی ومذہبی زندگی اور ان کی ذاتی زندگی کو اصلاحی تنظیم اور نظام قائم کر کے اسے سدھارنے کی ضرورت ہے، اور اب اسے سدھارنے کے لئے عرب یا بغداد سے کوئی مسلمان نہیں آئے گا بلکہ ہندوستان کے اہل علم مسلمانوں خاص کر علماء طبقہ کو اس کام کو انجام دینے کے لئے اپنا وقت دینا چاہیے اور اس پر غور فکر کرنا چاہیے۔ آئیں ہم سب مل کر ایک اچھے معاشرے کی تعمیر کریں۔

ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن

۳۰/مارچ ۲۰۱۰ء

تذکرۂ
خواتین اولیاء
دھلی

(1)

حضرت بی بی حنبل صاحبہ

اور اہلیہ محترمہ قطب صاحب

(احاطہ درگاہ قطب صاحب مہرولی)

آپ کی درگاہ شریف مہرولی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ کے احاطہ میں واقع مسجد کے صحن میں ہے، اس مسجد کے صحن میں سنگ مرمر کے استعمال سے ایک حجرتعمیر کی گئی ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی ۱۵ فٹ ہے اور اس کی اونچائی ۷ فٹ ہے، جس میں چار وں طرف سے سنگ مرمر کی جالی لگائی گئی ہے۔ اس کے چاروں کونوں پر برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ دروازہ پر بھی سنگ مرمر کی دو برجی بنی ہے۔ اس کے فرش پر بھی سنگ مرمر کا استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اب اس حجر پر ہرے رنگ کا پینٹ کر دیا گیا ہے اور اس کے جالی پر سفید رنگ کے پینٹ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس حجر میں دو قبریں ہیں ایک حضرت بی بی حنبل صاحبہ کا اور دوسرا قطب صاحب کی اہلیہ محترمہ کا۔ اس درگاہ کے اندر صرف عورتیں ہی جاتی ہیں مرد اس کے اندر نہیں جاتے بلکہ باہر سے ہی فاتحہ پڑھتے ہیں۔

اس درگاہ کے دروازہ پر یہ کتبہ لگا ہے:

"بی بی حنبل دایہ قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ"

آپ کی حالات زندگی

دایہ حنبل خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی جائے وطن اوس کی رہنے والی تھیں، جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے یہاں خادمہ تھیں اور ان کے گھر پر ہی رہا کرتی تھیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جب پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو دودھ کم آتا تھا اس لیے آپ نے اپنا دودھ پلا کر ان کی پرورش کی۔ حضرت بی بی حنبل صاحبہ نہایت ہی نیک عورت تھیں۔ عبادت میں ہر وقت مشغول رہتی تھیں۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جب اوس سے دہلی آئے تو بی بی حنبل صاحبہ کو بھی اوس سے دہلی بلا لیا اور اپنے گھر کا مالک یعنی انھیں ماں کا درجہ دیا اور ان کی کافی عزت کرتے تھے جو کہتی تھیں اسے بڑے احترام کے ساتھ مانتے تھے۔[1] انتقال کے بعد یہیں دفن کیا اور اپنی اہلیہ محترمہ کو بھی انتقال کے بعد اپنی دایہ ماں کی قبر کے ساتھ دفن کیا۔

☆☆☆

(2)

حضرت بی بی سارہ صاحبہ

(1240، احاطہ درگاہ قطب الدین بختیار کاکی، مہرولی)

آپ کا مزار مبارک خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ کے احاطہ میں مولانا فخر الدین کے مزار سے لگے پورب جانب واقع ہے، جس میں لوہے کی جالی لگی ہے دوسری جانب آپ کے بیٹے شیخ نظام الدین ابوالموئد کا مزار ہے یہ دونوں مزارات حجرہ نما بنے کمرے میں واقع ہیں جس میں داخل ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لوگ باہر سے ہی زیارت کرتے ہیں۔ قبر چونے اور گارے سے بنی ہے جس پر سنگ مرمر کا کتبہ لگا ہے اور اس میں یہ عبارت درج ہے۔

"بی بی سارہ رحمۃ اللہ علیہ ۶۳۸ھ"

آپ نہایت بزرگ ومتقدمین میں سے ہیں۔ مزارات اولیاء دہلی میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بارش نہیں ہورہی تھی اور بہت لوگوں نے دعائیں مانگی مگر پانی نہ برسا۔ شیخ نظام الدین ابوالموئد نے اپنی والدہ صاحبہ کے دامن کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں لے کر کہا کہ "خدا اس ٹکڑے کی عزت سے پانی برسا جو ایک ایسی بڑھیا عورت کے دامن کا ہے جسے کسی نامحرم نے نہیں دیکھا ہے۔" شیخ کی زبان سے یہ جملہ نکلنا تھا کہ پانی برسنا شروع ہو گیا۔ آپ نے بزمان سلطانہ رضیہ 638 ہجری بمطابق 1240ء میں وفات پائی۔[۲]

☆☆☆

(3)

رابعہ عصر

حضرت بی بی فاطمہ سام صاحبہ

(1245ء نزد ایم سی ڈی پرائمری اسکول

کاکانگر، نزد پرانہ قلعہ)

بی بی فاطمہ سام کا مزار مبارک گولف کلب روڈ چوراہا کے پورب جانب کا کانگر کالونی میں ایم سی ڈی پرائمری اسکول کے قریب واقع ہے، جو دہلی وقف بورڈ کی نگرانی میں ہے۔ آپ کے مزار کے قریب ایک پرانی مسجد ہے جو آباد ہے۔ درگاہ اور مسجد کے بیچ ایک بڑا میدان ہے جس مین اسکول کے بچے کھیلتے ہیں، آپ کی درگاہ کے پیچھے ایک قبرستان ہے جس مین نرسری چل رہا ہے۔ سن 2002ء میں آپ کی درگاہ کو از سر نو تعمیر کیا گیا اور اس پر ایک خوبصورت گنبد تعمیر کی گئی ہے مزار اور اس کے چاروں طرف کے فرس پر سنگ مرمر کا استعمال کیا گیا ہے۔ درگاہ اندر سے کافی بڑا ہے گنبد کے علاوہ کچھ حصہ صحن بھی ہے۔ اس مقام پر ایک عجیب روحانیت کا احساس ہوتا ہے اور کافی سکون حاصل ہوتا ہے، درگاہ کی کافی زمین تھی لیکن اس زمین پر لوگوں نے قبضہ کرلیا ہے، درگاہ کے قریب دو چار گھر مسلمان بھی

ہیں باقی علاقہ جو کا کانگر کے نام سے سرکاری کالونی ہے غیر مسلم آباد ہیں۔ اس کالونی کے آباد ہونے سے یہ درگاہ چاروں طرف سے گھر گئی ہے، باہر سے دکھائی نہیں دیتا ہے اور نہ ہی یہاں تک پہنچنے کا کوئی معقول راستہ ہے اس لیے اس درگاہ کو دہلی والے بہت کم جانتے ہیں۔ اس درگاہ شریف کے نگراں جناب صہیب الیاسی ہیں۔

آپ کے مزار کے سرہانے یہ کتبہ سن 2000ء میں لگا تھا:

''حضرت بی بی فاطمہ سام قدس اللہ سرہا از صالحات و قانتات و عابدات زمانہ بود۔ سلطان المشائخ در روضہ او بیاد مشغول بودے و در مناقب او غلو فرمودے در زمانِ حیات او دریافت بود در ۶۴۳ ہجری جان بجاں آفریں سپرد۔''[۳]

حضرت بی بی فاطمہ سام کی حالاتِ زندگی کا جائزہ

ہندوستان میں جن خواتین کی روحانی عظمت اور بزرگی کی داستانیں صوفی حلقوں میں گردش کرتی نظر آتی ہیں ان میں حضرت بی بی فاطمہ سام کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ:

''اس عورت کی عبادت و ریاضت دس کامل مردوں کے برابر ہے''[۴]

چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بقول صاحب سیر الاولیا:

''ان کا روضہ خلقِ خدا کی حاجات کا قبلہ بنا ہوا تھا۔''[۵]

حضرت بی بی فاطمہ سامؒ کے حالات زندگی تفصیل سے نہیں ملتے ،لیکن قدیم ملفوظات اور تاریخ میں ان کے متعلق جو کچھ بھی درج ہے اس سے ان کی روحانی بزرگی، خدمت خلق کے بے پایاں جذبے اور غیر معمولی ادبی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ان کی شخصیت میں روحانیت ، انسانیت اور ادبیت کا وہ حسین امتزاج تھا جس کی دوسری مثال ملنا مشکل ہے،ان کا ذکر صرف دہلی کی ہی خانقاہوں میں نہیں رہتا تھا بلکہ اجودھن سے لے کر گلبرگہ تک ان کی شہرت پھیلی ہوئی تھی۔

مزارات اولیاء دہلی میں لکھا ہے کہ:

آپ تمام خواتین اولیاء میں نہایت عابدہ وزاہدہ تھیں۔ شیخ فرید الدین گنج شکر و شیخ نجیب الدین متوکل کو یہ بھائی کہتی تھیں اور وہ ان کو بہن کہتے تھے۔ عام لوگ آپ کو بی بی سام اور بی بی صائمہ کہتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کی پیر بہن تھیں۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو مگر کسی کتاب میں صراحت نہیں ملتی۔ آپ ہمیشہ روزہ رکھتی تھیں اور سوائے ایام ممنوعہ افطار نہ کرتی تھیں۔ آپ کی ایک لونڈی تھی وہ مزدوری کر کے شام کو دو روٹیاں جو کی اور ایک آبخورہ پانی کا آپ کے مصلے کے پاس رکھ دیتی اور پھر جا کر چرخہ کاتنے لگتی تھی۔ ایک رات آپ نے نماز مغرب پڑھ کر روٹیاں اور پانی سامنے رکھ کر کھانا چاہا کہ یہ خیال آیا کہ اے فاطمہ! اگر تو اس رات کو مر جائے تو افسوس کہ دنیا سے پیٹ بھری جائے ، یہ سوچ کر وہ روٹی پانی فقیر کو دے دیا اور عبادت میں مشغول ہوئیں اور اسی طرح چالیس دن رات کچھ کھایا نہ پیا۔ ہر شب کو یہی کہتیں۔ ”کیا معلوم آج آخری شب حیات کی

ہو۔شاید یہی سانس آخری ہو' چالیس رات برابر عبادت میں جاگتی رہیں۔اکتالیس ویں دن ایک باہیبت وعظمت شخص کو گھر کے صحن میں کھڑا دیکھا۔پوچھا تو کون ہے۔وہ بولا میں ملک الموت ہوں۔پوچھا کہاں آئے ہو؟ کہا تمھاری روح قبض کرنے۔آپ نے کہا اتنی فرصت دو کہ نیا وضو کر کے دو رکعت تحیۃ الوضو اور دو رکعت اس کے بعد پڑھوں۔ملک الموت نے فرصت دی وہ اٹھیں اور وضو کر کے تحیۃ الوضو کے ساتھ اور دو رکعت پڑھیں اور سجدے میں سر رکھا اور اسی حال میں ملک الموت نے روح قبض کر لی۔آپ نے بزمانہ ناصر الدین محمود ۱۸ شعبان ۶۴۳ ہجری بمطابق 1245ء میں انتقال کیا۔[۶]

بی بی صاحبہ کی زندگی کے واقعات فوائد الفوائد، خیر المجالس، سیر الاولیا، جوامع الکلم میں ملتے ہیں۔ان ہی کی بنیاد پر بعد کے تذکرہ نویسوں مثلاً مولانا جمالی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، غلام معین الدین عبداللہ وغیرہ نے ان کا حال اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔مشہور مورخ ضیاالدین برنی نے ان کو دورِ بلبنی کی مشہور ترین روحانی شخصیتوں میں شمار کیا ہے اور ان کا ذکر بابا فریدالدین گنج شکر، شیخ صدر الدین عارف، شیخ بدالدین غزنوی، ملک یار پرّاں اور سیدی مولا کے ساتھ کیا ہے۔[۷]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کو 'عابدات زمانہ'' میں شمار کیا ہے۔[۸]

مولانا جمالی کا بیان ہے کہ اس عہد کے درویش ان میں کامل اعتقاد رکھتے تھے۔[۹]

آپ کا وطن

حالات سے کچھ ایسا لگتا ہے کہ بی بی صاحبہ پنجاب کے کسی علاقہ (غالباً نواح ملتان یا اجودھن) سے دہلی تشریف لائی تھیں۔[10]

وہ غالباً اجودھن یا اس کے قرب و جوار میں رہتی ہوں گی جس کی بنا پر بابا فرید الدین گنج شکر اور ان کے بھائی سے اس طرح کی نسبت پیدا ہوئی۔

'سام' کا کیا مفہوم ہے؟ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ چونکہ آپ اکثر روزہ رکھتی تھیں اس لیے 'بی بی صائمہ کہلاتی تھیں جو عوام الناس نے 'بی بی سام' کر دیا۔
اگر یہ نسبت وطنی ہے تو ممکن ہے کہ بی بی صاحبہ یا ان کے اجداد سام کے رہنے والے ہوں۔
اگر ان کی روحانی خصوصیات کی طرف اشارہ ہے تو ممکن ہے کہ روحانی کیفیات کے پیش نظر ان کو "آگ" سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ ایک امکان اور بھی ہے۔ ان کے شعر کہنے کا ذکر ملتا ہے، ممکن ہے کہ "سام"، تخلص ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سام ان کے باپ کا نام ہو، بہر حال یہ سب امکانات ہیں۔ کوئی قطعی بات کہنا دشوار ہے۔[11]

آپ کی شادی

بی بی صاحبہ کی زندگی کا ایک واقعہ بڑا دردناک ہے، لیکن اس سے ان کی شخصیت کا رنگ پوری طرح نمایاں ہو جاتا ہے۔ بچپن میں ان کا رشتہ ایک شخص سے طے ہو گیا تھا وہ ایک جنگ میں شہید ہو گیا۔ جب دوسرے پیام کی بات چیت شروع ہوئی تو بی بی صاحبہ نے یہ کہہ

کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا کہ ''اگر میرے نصیب میں شوہر ہوتا تو پہلے ہی رشتہ ہو جاتا اب میں دوسرے سے نہ کروں گی۔[۱۲]''

چنانچہ بی بی صاحبہ نے اپنی پوری عمر (جو کافی طویل تھی) عبادت و ریاضتِ الٰہی میں گزاردی۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے تذکروں میں آپ کا بیان

تذکروں سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت بی بی صاحبہ کو صوفی حلقوں میں ایک مثالی حیثیت حاصل تھی۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء جب عورتوں کی بزرگی کا ذکر کرتے تو ان کو مثال کے طور پر پیش کرتے۔ ایک مرتبہ فرمایا:

''اندر پرست میں ایک خاتون تھیں جن کو فاطمہ سام کہتے تھے۔ ان میں انتہائی عفت اور صلاحیت تھی، چنانچہ شیخ الاسلام بابا فرید الدین گنج شکر کی زبان مبارک پر بار بار آیا کہ وہ عورت مرد کی مانند ہے۔ اس کو عورتوں کی شکل میں بھیجا گیا ہے۔''[۱۳]

اس واقع کے بیان کرنے کے فوراً بعد حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ نیک مرد اور نیک عورتوں کی حرمت سے دعا کی جاتی ہے جس سے پہلے نیک عورتوں کا نام لیا جاتا ہے۔ تسلسل گفتگو کا خیال رکھا جائے تو صاف واضح ہو جائے گا کہ حضرت محبوب الٰہی بی بی صاحبہ کو ایسی نیک عورتوں میں شمار کرتے تھے جن کی حرمت دعا کو درِ اجابت تک پہنچا دیتی ہے۔

اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے بابا فرید الدین گنج شکر کے جملہ کے تعلق سے فرمایا:

''جب شیر جنگل سے نکلتا ہے تو کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ یہ نر ہے یا مادہ۔''

یعنی طاعت وتقویٰ اصل چیز ہے، عورت یا مرد ہونا اس میں اہم بات نہیں۔ یہ ذکر حضرت محبوب الٰہی نے ۲۷ جمادی الآخر ۷۰۸ھ کے مطابق ۱۳۰۸ء کو جمعرات کے دن فرمایا تھا۔اس کے بعد بھی بی بی صاحبہ کا ذکر آتا رہا۔ ۱۱رذی الحجہ ۷۲۰ھ کے مطابق ۱۳۲۰ء کو انھوں نے بی بی صاحبہ کا ذکر اس وقت کیا جب کشف وکرامت پر گفتگو ہو رہی تھی، فرمایا:

''اس سے پہلے فلاں گاؤں میں ایک خاتون رہتی تھیں ان کو بی بی فاطمہ سام کہتے تھے، نہایت صالح تھیں ان کی بڑی عمر ہوئی تھی، میں نے انھیں دیکھا تھا بڑی خوب شخصیت پائی تھی موقع کی مناسبت سے بہت سے شعر کہتی تھیں۔''[۱۲]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محبوب الٰہی خود بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور علاوہ ان کی بزرگی کے، ان کے ادبی ذوق سے بھی متاثر تھے، ان کو بی بی صاحبہ کا پڑھا ہوا صرف ایک شعر یاد رہ گیا تھا۔

ہم عشق طلب کنی وہم جاں خواہی
ہر دو طلبی، ولے میسّر نشود

راہِ طریقت میں گامزن انسانوں کے لیے اس سے زیادہ موثر ہدایت نہیں ہوسکتی، اس ایک شعر میں غیرتِ عشق کی ساری نزاکتیں بیان کردی گئی ہیں۔

درد انسانیت

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی طرح بی بی صاحبہ کی نظر میں طاعت کی بہترین قسم خدمت خلق تھی۔ اس کو وہ اپنے نظام فکر میں بنیادی حیثیت دیا کرتی تھیں۔ مولانا غلام معین الدین عبداللہ نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے کہ فرمایا کرتی تھیں:

"وہ روٹی اور پانی کا پیالا جو بھوکے پیاسے کو دیا جائے وہ ثواب تو لاکھوں روزوں اور نماز سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔"[۱۵]

یہ جملہ نچوڑ ہے تصوف کے اعلیٰ ترین مقاصد کا۔ ایسے مقاصد کا جنھوں نے تصوف کی تحریک کو انسانیت کی خدمت کی ایک عظیم الشان تحریک بنا دیا تھا۔ انھوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ خدمت خلق کے لیے دولت نہیں دردمند دل کی ضرورت ہے—ایسا دل جو کسی انسان کو تکلیف میں نہ دیکھ سکے۔

شیخ نجیب الدین متوکل چشتی سے آپ کا تعلق

بابا فرید الدین گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل چشتی اکثر ان کی خدمت میں اکتساب فیض کی نیت سے حاضر ہوتے تھے۔ شیخ کی زندگی بہت عسرت اور تنگی کی زندگی تھی۔ اکثر شب کو انھیں اور ان کے گھر والوں کو بھوکا سونا پڑتا تھا جب فاقہ پر رات گزر جاتی تو دوسرے دن بی بی صاحبہ کچھ روٹیاں ان کے پاس بھیج دیتیں اور ساتھ میں یہ بھی کہلا دیتیں کہ یہ حلال کی کمائی سے ہے۔

ایک بار فاقہ کی شدید حالت میں بی بی صاحبہ کی یہ روٹیاں شیخ نجیب الدین متوکل چشتیؒ کو ملیں تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔

''اے پروردگار جس طرح تو نے اس عورت کو ہمارے حال سے واقف کیا ہے، شہر کے بادشاہ کو بھی واقف کرتا کہ کوئی بابرکت چیز بھیجتا۔''

اور پھر تبسم فرمایا اور کہا:

''بادشاہوں کو وہ باطن صفائی کہاں نصیب ہے کہ وہ واقف ہو سکیں گے۔''[16]

دلداری کا جذبہ

دلداری کا جذبہ بی بی صاحبہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس زمانہ کے ایک بزرگ شیخ جمال الدین نے ایک شخص کی دعوت شروع میں قبول نہ کی لیکن جب بہت منت سماجت کی تو قبول کر لی۔ بی بی صاحبہ کو معلوم ہوا تو فرمایا:

''شیخ جمال الدین جب تم یہ جانتے تھے کہ اس کے گھر تمھیں جانا ہی پڑے گا تو پھر پہلی بار میں ہی اس کے بلانے پر کیوں نہیں گئے۔؟''

اتفاق سے راستہ میں شیخ جمال الدین کے پیر میں موچ آ گئی تھی۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا: یہ اسی کی سزا ہے یعنی کسی شخص کی دلداری میں تامُل کرنا اچھا نہیں۔[17]

حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے عقیدت

حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے بی بی صاحبہ کو بڑی عقیدت تھی۔انھوں نے اپنے ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کا کپڑا بنوایا اور اس کا غلاف تیار کر کے قطب صاحب کے مزار پر چڑھایا تھا۔خواجہ حسن نظامی نے دہلی کے زیارت نامہ میں لکھا ہے:

''بی بی صاحبہ کا بنا ہوا وہ غلاف سات سو برس سے اب تک درگاہ مذکور میں موجود ہے۔ایک دفعہ درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحب کے زرّیں غلافوں کو چور چرا کر لے گئے تھے۔اور اسی میں یہ غلاف بھی چوری گیا تھا۔جب چوروں نے غلافوں کی چاندی نکالنے کے لیے ان کو جلایا تو یہ غلاف بھی ان کے اندر تھا۔سب غلاف جل گئے مگر یہ غلاف نہیں جلا۔اس واسطے چور اس غلاف کو پھر درگاہ میں ڈال گئے۔یہ غلاف اب تک موجود ہے اور اس کے ایک حصہ میں آگ کا نشان بھی ہے۔''[۱۸]

شیخ نظام الدین اولیاء سے تعلق

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کو بی بی فاطمہ صاحبہ سے روحانی تعلق تھا۔ایک دن بی بی صاحبہ نے فرمایا: ایک شخص کے پاس لڑکی ہے، اگر تم اس سے شادی کرلو تو اچھا ہوگا۔حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے جواب دیا:

''ایک دفعہ میں شیخ الاسلام فرید الدین کی خدمت میں حاضر تھا۔وہاں

ایک جوگی موجود تھا۔ بات اس بارے میں شروع ہوئی کہ بعض بچے بے ذوق پیدا ہوتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو مباشرت کرنے کا وقت معلوم نہیں۔ بعد ازاں جوگی نے ...... بتایا ہر دن کی الگ الگ خاصیت ہے، مثلاً اگر فلاں دن مباشرت کی جائے تو فرزند ایسا پیدا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ میں نے دنوں کے اثر کو جوگی سے سن کر اچھی طرح یاد کرلیا۔ شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا، جو کچھ تم یاد کر رہے ہو یہ تمھارے کسی کام نہیں آئے گا۔"

بی بی فاطمہ نے یہ سنا تو فرمایا: اب مجھے صورت حال کا علم ہوگیا۔ اچھا کیا کہ تم نے اس لڑکی سے عقد کا اقرار نہ کیا۔ میں نے اس شخص کا دل رکھنے کے لیے تم سے کہا تھا۔ [19]

بی بی صاحبہ کے وصال کے بعد حضرت محبوب الٰہی کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو ان کے مزار پر حاضر ہو کر اللہ سے لو لگاتے۔ حضرت محبوب الٰہی اور ان کے سلسلہ کے مشائخ کے ذریعہ بی بی صاحبہ کا نام دور دور پہنچ گیا تھا۔

سید محمد گیسودراز کے تذکروں میں آپ کا بیان

گلبرگہ میں حضرت سید محمد گیسودراز کی مجلس میں ان کا ذکر رہتا تھا۔ ایک بار انھوں نے ایک شخص کا خواب بیان کیا کہ بی بی فاطمہ کو بارگاہ رب العزت میں براہ راست رسائی ہوئی تھی۔ [20] اس واقعہ کا بیان اپنی ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی مجلس

میں ایک مرتبہ بی بی فاطمہ سام کی تعریف پر بات چل پڑی جس میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے کہا کہ بی بی فاطمہ سام اپنی وفات کے بعد ایک شخص کے خواب کے میں آئیں اور کہا کہ ایک دن میں دربار خداوندی میں تیزی کے ساتھ جا رہی تھی کہ مجھ سے آسمانی فرشتے نے آواز دیکر کہا، کون ہو تم؟ ٹھہر جاؤ، کتنی بے باکی سے جا رہی ہو، اور میں نے بھی قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ خود نہ بلائیگا میں بھی یہیں بیٹھی رہوں گی، کچھ دیر بعد ام المومنین بی بی خدیجہ اور بی بی فاطمہ دونوں تشریف لائیں، میں ان کے قدموں پر گر پڑی، ان دونوں نے فرمایا، اے فاطمہ! آج کیا بات ہے جو اللہ ہم کو تمہارے بلانے کے لئے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں آپ کی لونڈی ہوں اور اس سے زیادہ میری عزت کیا ہوگی کہ آپ مجھے بلانے کیلئے تشریف لائی ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ میں نے قسم کھائی تھی اس کے بعد فرمان الٰہی ہوا، کہ فاطمہ سام سچ کہتی ہے، تم دونوں بیچ سے ہٹو، اور اے فاطمہ سام میرے پاس آؤ، کہو کیا چاہتی ہو؟ میں خود آیا ہوں، جس پر میں فاطمہ سام نے عرض کیا اے اللہ! تیرے دربار میں ایسے بے ادب بھی ہیں جو تیرے پاس آنے والے کو پہنچانتے نہیں۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۵۸۴)

آپ کی وفات

بی بی فاطمہ کے وصال کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے ایک دن اپنی مجلس میں فرمایا:

''ایک رات بی بی فاطمہؒ نے نماز مغرب پڑھ کر وہ نان اور پانی (جو کنیز

رکھ گئی تھی) استعمال کرنا چاہا تھا کہ یہ خیال آیا کہ اے فاطمہ اگر اس رات تو مر جاوے تو افسوس ہے کہ دنیا سے پیٹ بھری جاوے۔ یہ سوچ کر وہ روٹی پانی فقیر کو اٹھا کر دے دیا اور عبادت میں مشغول ہو گئیں، غرض اسی طرح چالیس دن رات کچھ نہ کھایا نہ پیا۔ ہر شب یہی کہتیں کہ کیا معلوم آج کی شب زندگی کی آخری شب ہو۔ شاید یہی میری آخری سانس ہو۔ اور چالیس رات برابر عبادت میں بیدار رہیں۔ اکتالیسویں دن ایک شخص باہیبت وعظمت والا کو گھر کے صحن میں کھڑے دیکھا۔ پوچھا تو کون ہے؟ وہ بولا" میں ملک الموت ہوں"۔ پوچھا کہاں آئے ہو؟ کہا: تمھاری روح قبض کرنے کو۔ بولیں: اتنی فرصت دیجیے کہ نیا وضو کر کے دو رکعت تحیۃ الوضو اور دو رکعت اور اس کے بعد پڑھ لوں۔ ملک الموت نے اتنی فرصت دی۔ وہ اٹھیں اور وضو کر کے تحیۃ الوضو اور دو رکعتیں پڑھیں۔ اور سجدہ میں سر رکھا کہ اسی حال میں حضرت ملک الموت نے ان کی جان قبض کی۔"[۲۱]

شیخ نجیب الدین متوکل چشتی ان کی رحلت کے وقت وہاں پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی۔ "بر کنارِ حوض قصبہ اندر پرست، آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔[۲۲]

آپ کا مزار شریف

آپ کا مزار عقیدت مندوں سے کبھی خالی نہ رہا۔ ایک زمانہ میں ایک دیوانہ "راگھو"

وہاں رہنے لگا تھا۔ حضرت گیسو دراز کا بیان ہے کہ وہ جسم پر سانپ لپیٹے رکھتا تھا۔ انھوں نے ایک بار اس کی وجہ پوچھی تو جواب دیا: میں کیا کروں، مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے۔[۲۳]

ایک شہرت جو دہلی سے گلبرگہ تک پھیلی ہوئی تھی کہ قطب الدین بختیار کاکی اور بی بی فاطمہ سام کے مزارات ایسے ہیں جو کبھی بغیر ابدال کے نہیں رہتے۔ خود حضرت محبوب الٰہی نے ایک دن اپنا واقعہ بیان کیا جو شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے اپنی مجلس میں اس طرح دہرایا:

''ایک بار مولانا حسام الدین اندرپتی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا، مولانا آج میں نے ایک ابدال کو دیکھا، عرض کیا: کہاں پر۔ جناب شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا: میں زیارت مزار حضرت بی بی فاطمہ سام کو گیا تھا۔ وہاں ایک تالاب ہے۔ اس پر ایک شخص کو دیکھا کہ ایک ٹوکرا لکڑیوں کا سر سے اتار کر کنارے پر رکھا اور ایسا خوب وضو کیا کہ میں دیکھ کر متعجب ہوا۔ بعد وضو دو رکعت نماز باراحت تمام پڑھی۔ مجھ کو اس کے طرز نماز سے اور زیادہ تعجب ہوا۔ پھر خالی ٹوکرا تین بار دھویا۔ پھر ایک ایک لکڑی دھو کر درود پڑھ کر اس میں رکھتا رہا۔ اسی طرح سب کو دھو کر ٹوکرے کو تین بار تالاب میں غوطہ دیا اور کنارہ پر رکھا تا کہ پانی ٹپک جائے۔ میں متعجب ہو کر اٹھا اور ایک تنکا سفید (ایک پیسہ) اپنے دستار چہ سے نکال کر پیش کیا۔ اور کہا اے خواجہ اسے قبول کرو۔ اس نے کہا: مجھے اس کے

قبول کرنے سے معذور سمجھو، میں نے کہا چند جیتل (چندروپیہ) کے لیے تم اتنی زحمت اٹھارہے ہواور ایک تنکہ (ایک پیسہ) جو اللہ تعالیٰ بطور فتوح تمھیں بھیج رہا ہے قبول نہیں کرتے پھر یہی کہا: معذور رکھو۔ میں نے کہا: اپنا حال تو بتاؤ۔ کیوں اسے قبول نہیں کرتے۔ کہا: بیٹھ جاؤ بتاؤں۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء اور وہ شخص دونوں بیٹھ گئے۔ اس نے اپنا حال بتانا شروع کیا: میرا باپ بھی یہی کام کرتا تھا۔ میری خوردسالی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ماں نے اس قدر احکامِ عبادت الٰہی سکھا دیے کہ پانچ وقت نماز پڑھنا سیکھ گیا ہوں۔ پھر والدہ نے انتقال کے وقت مجھے نزدیک بلایا اور کہا کہ چھپر میں ایک کپڑا گرہ لگا ہوا رکھا ہے اسے لے آ۔ میں نے وہ کپڑا اماں کے سامنے رکھ دیا۔ انھوں نے کھول کر کچھ جدا کیا اور کہا اتنے میں کفن لانا اور اتنا غسال کو دینا اور اتنا گورکن کو۔ پھر بیس درم یا کچھ کم مجھ کو دیے اور کہا: یہ خرچ تیری تمام عمر کا ہے۔ تیرا باپ باغوں میں جا کر لکڑی اور ترکاری بیچ کر لاتا تھا۔ اس سے گزر ہوتی تھی۔ یہ تیرا سرمایا ہے۔ لکڑی اور ترکاری تو بھی لا کر بیچا کر اور سوائے اس کے کسی دوسرے طریقہ سے روزی نہ کمانا، جب اس شخص نے یہ قصہ پورا کیا تو حضرت شیخ (محبوب الٰہی) کو احساس ہوا کہ یہ شخص ابدال ہے اور ابدال کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے۔ مزدوری یا کسب کرتے ہیں۔" [۲۴]

☆☆☆

(4)

رابعہ عصر
حضرت بی بی زلیخا عرف مائی صاحبہ
(1259، مھرولی میڈیکل روڈ، ادہ چنی)

آپ کی درگاہ مہرولی میڈیکل روڈ پر NCERT کے قریب ادھ چنی گاؤں میں واقع ہے، اس درگاہ کی نظامت ''انجمن پیرزادگان نظامیہ خسروی'' کرتی ہے۔ یہ درگاہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی والدہ ماجدہ کی ہے جو دہلی کی بہت پرانی درگاہ ہے اور یہ درگاہ مائی صاحبہ کے نام سے مشہور ہے، لیکن ۱۹۴۷ کے ملک کے تقسیم کے بعد یہ ویران ہوگئی اور درگاہ کی عمارت کو نقصان بھی پہنچا، بعد میں اس کی از سر نو تعمیر کی گئی، آپ کے مزار شریف پر خوبصورت گنبد بنایا گیا ہے، مزار شریف اور اس کے چاروں طرف کے فرش پر سنگ مرمر کا استعمال کیا گیا ہے۔ مزار کے چاروں طرف بڑے ہی خوبصورت شاہجہانی محراب کا استعمال کیا گیا ہے جو سنگ مرمر کا ہے، مزار شریف پر شیپ کا بنا نہایت خوبصورت جھالر لٹک رہا ہے اور مزار شریف کے چاروں طرف پیتل کی ریلنگ لگی ہے، آپ کا مزار مبارک فرش سے تین فٹ اونچا

ہے۔ پھولوں اور عطر کی خوشبو سے یہاں پر آنے والے زائرین کا روح معطر ہو جاتا ہے اور روحانی سکون ملتا ہے، آپ کے مزار سے متصل ایک مٹکا رکھا ہوا ہے جس میں پانی بھرا رہتا ہے، اس گھڑے کے پانی پینے سے کافی اطمینان وسکون ملتا ہے، ہفتہ میں ایک دن بدھ کو یہاں لنگر چلتا ہے، جس کا کھانا بہت لزیز ہوتا ہے۔ آپ کے مزار شریف کے ساتھ آپ کی بیٹی حضرت بی بی زینب عرف جنت صاحبہ کا مزار ہے۔ آپ کی نواسی حضرت بی بی رقیہ کا مزار ہے جو سنگ مرمر کا ہے۔ بی بی زلیخا کے مزار سے متصل ایک حجرہ ہے جس میں آپ عبادت کیا کرتی تھیں جو ایک چوکور عمارت ہے، جس کی تعمیر بلوا پتھر کے استعمال سے کی گئی تھی لیکن اب اس پر سنگ مرمر چڑھا دیا گیا ہے۔ اس حجرے کے پچھم جانب دو مزار ہیں جو بی بی حور اور بی بی نور کی ہیں، جو شیخ شہاب الدین سہروردی کی بیٹی ہیں، جو بی بی زلیخا کے ساتھ رہتی تھیں، ان کی خدمت اور عبادت میں ان کے ساتھ ساتھ رہیں۔ بی بی زلیخا کے مزار کی زیارت کرنے سے پہلے بی بی حور اور بی بی نور کے مزار کی زیارت کرنی ضروری ہوتی ہے۔

بی بی حور اور بی بی نور کے مزار سے متصل پانچ محرابی در کی مسجد ہے جس پر گنبد نہیں ہے بلکہ چھت ہے، جس میں پانچ وقت کی نماز ہوتی ہے۔ اس مسجد کے بائیں طرف مجلس خانہ اور لنگر خانہ کی عمارت ہے اور ایک بڑا صحن ہے۔ اس درگاہ کا اپنا قدیمی دروازہ ہے جو اب تک محفوظ ہے اس دروازہ کے اندر گھستے ہی، وضو خانہ غسل خانہ بنا ہے۔ درگاہ شریف کے داخلی دروازہ کے سامنے لوگوں نے اس کی زمین پر قبضہ کر کے عمارت بنا لیا ہے جس سے یہ درگاہ اندر چھپ گئی ہے، جس سے لوگوں کو یہاں پہنچنے میں کافی پریشانی ہوتی ہے۔ درگاہ کے اندر

شمالی جانب کچھ دوری پر بابا فرید الدین گنج شکر کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل چشتی اوران کی بیٹی بی بی فاطمہ کا مزار ہے اور وہاں ایک قدیم مسجد ہے جس میں مدرسہ چل رہا ہے۔

بی بی زلیخا کے مزار کے سرہانے سنگ مرمر پر یہ کتبہ لگا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا اله الا الله محمد الرسول الله

مزارات اقدس

حضرت بی بی زینت عرف بی بی جنت رضی اللہ عنہا

بنت

حضرت رابعہ عصر بی بی زلیخا رضی اللہ عنہا

والدہ محترمہ

حضرت سلطان المشائخ خواجہ سید نظام الدین اولیا محبوب الٰہی

يا صاحب الجمال ويا سيد البشر

من وجهک المنير لقد نور القمر

لا يمكن الثنا و كما كانا حقه

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر صلی اللہ علیہ وسلم

تاریخ وصال: ۳۰ جمادی الاولیٰ ۶۵۸ھ

سن ۲۰۰۰ء میں یہ کتبہ جو بی بی زلیخا صاحبہ کے مزار کے سرہانے لگا تھا اس میں بی بی زینت کو بی بی زلیخا کی خواہر یعنی بہن لکھا گیا تھا لیکن اب ۲۰۱۰ء میں اس غلطی کو درست کرلیا گیا ہے۔

حضرت بی بی زلیخا کے حالاتِ زندگی کا مختصر جائزہ:

آپ کا خاندانی نسبت

آپ خواجہ سید عرب بخاری کی بیٹی اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کی والدہ محترمہ ہیں۔ آپ کے آبا واجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ ترکِ وطن کر کے غزنی آئے۔ غزنی میں ہی خواجہ عرب کی پیدائش ۵۵۱ھ میں ہوئی۔ غزنی سے آپ لاہور آئے اور ۶۰۶ھ کے مطابق ۱۱۵۶ء میں لاہور سے آپ بدایوں تشریف لائے۔ آپ علم و فضل میں یگانۂ عصر اور مرتبۂ ولایت پر فائز تھے۔

حضرت بی بی زلیخا اپنے وقت کی رابعہ تھیں۔ تقویٰ و پرہیزگاری اور زہد و ورع، علم و حلم اور کمال ولایت کے مقام پر فائز تھیں۔ صبر و شکر اور تسلیم و رضا میں آپ کا اونچا مقام تھا۔ آپ کی نسبت سادات حسینی سے تھی۔ آپ کا نسب نامہ والد ماجد کے طرف سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے اس طرح جا کر ملتا ہے۔[۲۵]

(۱) حضرت بی بی زلیخا

(۲) بنت سید خواجہ عرب

(۳) بن سید ابو المفاخر محمد اظہر

(۴) بن سید حسن

(۵) بن سید علی مشہدی

(۶) بن سید احمد مشہدی

(۷) بن سید ابی عبداللہ

(۸) بن سید علی اصغر

(۹) بن سید جعفر ثانی

(۱۰) بن سید امام علی ہادی نقی

(۱۱) بن سید امام محمد تقی

(۱۲) بن سید امام علی رضا

(۱۳) بن سید امام موسیٰ کاظم

(۱۴) بن سید امام جعفر صادق

(۱۵) بن سید امام محمد باقر

(۱۶) بن سید امام علی زین العابدین

(۱۷) بن سید امام حسین

(۱۸) بن سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ

آپ کے شوہر کا نام سید احمد ہے جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے والد

ماجد ہیں، جن کا نسب نامہ اس طرح ہے۔

(۱) بی بی زلیخا
(۲) زوجہ سید احمد (والد محترم شیخ نظام الدین اولیاء)
(۳) بن سید علی
(۴) بن سید عبداللہ
(۵) بن سید حسن
(۶) بن سید علی مشہدی
(۷) بن سید احمد مشہدی
(۸) بن سید ابی عبداللہ
(۹) بن سید علی اصغر
(۱۰) بن سید جعفر ثانی
(۱۱) بن امام علی ہادی نقی
(۱۲) بن سید امام محمد نقی
(۱۳) بن سید امام علی رضا
(۱۴) بن سید امام موسیٰ کاظم
(۱۵) بن سید امام جعفر صادق
(۱۶) بن سید امام محمد باقر

(۱۷) بن سید امام علی زین العابدین

(۱۸) بن سیدنا امام حسین

(۱۹) بن سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی مرتضٰی [۲۶]

بدایوں کا قیام

حضرت بی بی زلیخا کے والد خواجہ عرب اور آپ کے سسر سید علی یعنی شیخ نظام الدین اولیاء کے دادا اور نانا دونوں ہمجد تھے۔ اور دونوں بخارا سے آکر کچھ مدت لاہور میں رہے اور وہاں سے بدایوں چلے آئے۔ ۶۳۶ھ کے مطابق ۱۲۳۸ء میں شیخ نظام الدین اولیاء کی ولادت ہوئی۔ بدایوں شرفا و سادات کا قدیم مسکن تھا، بہت سے ساداتِ کرام اور مشائخ عظام نے ایران وخراسان سے آکر یہاں سکونت اختیار کر لی۔ [۲۷]

۱۱۹۲ء میں قطب الدین ایبک نے بدایوں کو فتح کیا اور شمس الدین التتمش کو وہاں کا گورنر مقرر کیا، التتمش نے یہاں ۱۲۲۳ء میں ایک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی۔ رکن الدین اور فیروز شاہ تغلق یہ دونوں دہلی کے سلطان بننے سے قبل بدایوں کے گورنر رہ چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بدایوں شرفا و سادات کا مرکز بنتا چلا گیا۔ (انسائیکلوپیڈیا، برٹانیکا، بذریعہ بدایوں)

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ بی بی زلیخا جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں اپنے یتیم بیٹے کی

پرورش اور دینی اخلاقی تربیت کا مردانہ ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا، جب کتابیں پڑھنے کے قابل ہو گئے تو بدایوں کے مشہور استاد مولانا علاؤ الدین اصولی جو شیخ جلال الدین تبریزی کے مرید تھے کی خدمت میں پیش کیا، فقہ کی ابتدائی کتابوں کی ان سے تعلیم حاصل کی اور جب قدوری ختم کی تو مولانا علاؤ الدین نے فرمایا مولانا نظام الدین اب آپ کو دستار فضیلت باندھنا چاہتا ہوں۔

والدہ صاحبہ سے آ کر کہا کہ استاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے، میں دستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے کہا۔ بابا خاطر جمع رکھو، میں اس کی تدبیر کروں گی، چنانچہ روئی خرید کر اس کو کتوایا اور ایک پگڑی تیار کر کے دی۔ والدہ محترمہ بی بی زلیخا نے دستار بندی کی اس تقریب میں علما و صوفیا کی دعوت کی، ایسی متبرک محفل میں آپ کی دستار بندی کی گئی، اہل مجلس نے علم نافع اور تکمیل کی دعا کی۔ [۲۸]

بدایوں سے دھلی کا سفر

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کی والدہ محترمہ بی بی زلیخا نے آپ کو سولہ ۱۶ سال کی عمر میں بدایوں سے لے کر دہلی چلی آئیں۔ دہلی آ کر ادھ چنی میں شیخ نجیب الدین متوکل چشتی کے مکان کے قریب قیام کیا۔ دہلی میں اس وقت بڑے نامور اساتذہ تھے۔ مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی الممالک ہو کر شمس الملک کے لقب سے مشہور تھے، آپ نے اپنے بیٹے نظام الدین کو انھیں کے حلقۂ درس میں شامل کیا۔ شیخ

نجیب الدین متوکل چشتی بابا فرید الدین گنج شکر کے بھائی تھے، جن سے آپ کو گہرا لگاؤ تھا، ان سے بھی آپ کو علمی تربیت حاصل ہوئی۔[۲۹]

آپ کی خدا تعلقی

شیخ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ کو اللہ سے خاص تعلق تھا، جب ان کو کوئی ضرورت درپیش ہوتی تو وہ پہلے ہی اس کام کے متعلق خواب دیکھ لیا کرتیں تھیں اور اس کام کو انجام دینے میں انھیں اختیار حاصل ہو جاتا تھا، میری خود یہ حالت ہے کہ جب کوئی ضرورت پڑتی ہے تو میں والدہ ماجدہ کے مزار پر جا کر عرض کرتا ہوں اور میرا وہ کام تقریباً ایک ہفتہ کے اندر ہی ہو جاتا ہے اور ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ اس کے پورا ہونے میں ایک مہینہ لگے، میری والدہ ماجدہ کو ان کی زندگی میں جب کوئی ضرورت ہوتی تو وہ پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنا دامن پھیلا کر دعا مانگتی تھیں اور جو چاہتی تھیں مل جاتا تھا، میری والدہ ماجدہ اتنی مقبول بارگاہ الٰہی تھیں کہ جب ہمارے گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو فرماتیں آج ہم اللہ کے مہمان ہیں، ان کی اس بات سے مجھے ایک خاص ذوق حاصل ہوتا تھا۔ ایک دن فرمایا کہ آج ہم اللہ کے مہمان ہیں اسی وقت اچانک کوئی آدمی ایک اشرفی کا غلّہ ہمارے گھر ڈال گیا اور وہ اتنے دنوں تک چلا کہ میں اس کے ختم نہ ہونے سے تنگ آ گیا اور اس ذوق کا منتظر رہا کہ والدہ ماجدہ فرمائیں کہ آج ہم اللہ کے مہمان ہیں، ان کی اس بات سے مجھے وہ ذوق سکون وچین ملا جسے بیان نہیں کر سکتا۔[۳۰]

حکایات ہے کہ سلطان قطب الدین خلجی بن سلطان علاؤ الدین خلجی نے شیخ نظام الدین اولیاء سے جھگڑنا چاہا اور جھگڑنے کا ابتدائی سبب یہ ہوا کہ اس نے قلعہ سیری میں ایک جامع مسجد بنائی اور تمام مشائخین کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کی نماز اس جامع مسجد میں پڑھیں، شیخ نظام الدین اولیاء کو بھی وہاں آنے کی دعوت دی، لیکن آپ نے جانے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے قریب کی مسجد اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس میں نماز پڑھی جائے، اس لیے میں یہیں جمعہ پڑھوں گا، غرض کہ آپ مسجد سیری جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں گئے۔ دوسری وجہ مخالفت کی یہ ہوئی کہ بادشاہ کا یہ حکم تھا کہ ہر ماہ کی چاندرات کو تمام مشائخین، علما، امراء اور معززین شہر، نئے چاند کی مبارکباد پیش کرنے بادشاہ کے یہاں حاضر ہوتے، لیکن شیخ نظام الدین خود نہ جاتے بلکہ اپنی طرف سے اپنے خادم خاص اقبال کو روانہ کر دیا کرتے تھے، حاسد لوگوں نے یہ بات بھی بادشاہ سے لگا کر اس کو آپ کی دشمنی پر ابھارا، چنانچہ بادشاہ نے غرور میں آکر کہا کہ جو کوئی آئندہ مہینہ کی پہلی تاریخ کو نہیں آئے گا ہم اس کو سخت سزا دیں گے، شیخ کو جب یہ معلوم ہوا تو بغیر کچھ کہے ہوئے سیدھے اپنی والدہ کی قبر پر گئے اور دعا کرتے ہوئے کہا کہ اس بادشاہ نے مجھے سزا دینے کا عزم کیا ہے اگر وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گیا تو پھر آپ کی زیارت کے لیے کبھی نہ آسکوں گا، یہ باتیں اپنی والدہ سے ناز و ادا کے ساتھ کہہ کر کے اپنے گھر میں آکر بیٹھ گئے، آئندہ مہینہ کی پہلی تاریخ کو اللہ کے حکم سے بادشاہ پر یہ مصیبت آئی کہ خسرو خاں پروان نے جو کہ مقربین دربار میں سے تھا، بادشاہ کو قتل کر کے اس کی لاش محل سے باہر پھینک دی۔ [21]

آپ کی وفات

حکایت ہے کہ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ جمادی الآخریٰ کی پہلی تاریخ کو میری والدہ دنیا سے رخصت ہوئی ہیں، میرا دستور تھا کہ ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو والدہ کے قدموں پر گرتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ نوچندی کے دن چاند دیکھ کر میں نے والدہ ماجدہ کی قدم بوسی کی تو فرمایا آئندہ مہینہ میں کس کے قدموں پر سر رکھو گے؟ میں سمجھ گیا کہ اب نہ رہیں گی، میری حالت غیر ہوگئی اور میں رونے لگا، اور روتے ہوئے کہا، اماں جان! مجھ غریب بے چارہ کو کس کے سپرد کیجیے گا؟ فرمایا کل صبح بتائیں گے۔ پھر فرمایا، آج رات شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر آرام کرو چنانچہ میں ان کے حکم کے مطابق رات کو شیخ کے گھر میں چلا گیا، شب کے اخیر حصہ میں جب کہ صبح ہونے والی تھی خادم نے آکر کہا کہ بی بی تمھیں بلا رہی ہیں، جب میں حاضر ہوا تو فرمایا کل تم نے ایک بات پوچھی تھی جسے بتانے کا میں نے وعدہ کیا تھا، اب کہتی ہوں، ''پھر میرا سیدھا ہاتھ پکڑ کر کہا اے اللہ! اسے تیرے حوالہ کیا''۔ بس اتنا کہا اور جان بحق ہوگئیں۔ [۳۲]

آپ نے بزمانہ سلطان ناصر الدین محمود جمادی الآخریٰ ۶۴۸ ہجری بمطابق ۱۲۵۰ء میں انتقال فرمایا۔ لیکن کتبہ میں ۶۵۸ ھجری لکھا ہے۔ آپ کا مزار بی بی نور کے صحن میں چبوترہ پر ہے اور برابر مشرق میں آپ کی صاحبزادی بی بی جنت کا مزار ہے۔

زیر چبوترہ پائیں تانے کے جانب آپ کی نواسی کا مزار ہے۔ بی بی نور وبی بی حور کا ''اخبار الاخیار'' میں کوئی ذکر نہیں لکھا۔ روضہ اقطاب میں شیخ نجیب الدین متوکل چشتی کے تذکرہ میں بی بی نور وبی بی حور کو دختر انِ شیخ شہاب الدین سہروردی لکھا ہے لیکن ان کا حال بیان نہیں کیا گیا ہے۔۳۳
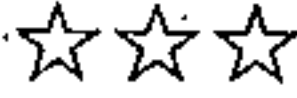
(5)

حضرت بی بی زینب عرف بی بی جنت صاحبہ

(نزد درگاہ بی بی زلیخا، ادھ چینی)

حضرت بی بی زلیخا کے مزار شریف پر لگے کتبہ کے مطابق بی بی زینب بی بی زلیخا کی بیٹی اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کی بہن ہیں، جن کا مزار حضرت بی بی زلیخا صاحبہ کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یعنی پہلا قبر حضرت بی بی زلیخا صاحبہ کی ہے اور دوسری قبر جو ان سے ملا ہوا ہے حضرت بی بی زینب کا ہے۔ حضرت بی بی زلیخا صاحبہ اور حضرت بی بی زینب عرف بی بی جنت کا مزار فرش سے تقریباً تین فٹ اونچائی پر ہے۔ جس کے اوپر خوبصورت گنبد تعمیر کیا گیا ہے اور مزار شریف کے چاروں جانب سنگ مرمر کے بڑے خوبصورت محراب بنے ہیں۔ مزار پر شیپ کا جھالر لٹک رہا ہے اور قبر پر خوبصورت چادر ڈالا ہوا ہے۔ عقیدت مندوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ مزار شریف کے سرہانے سن ۲۰۰۰ء میں سفید سنگ مرمر پر یہ کتبہ لگا تھا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الہ اللہ محمد الّرسول اللہ

حضرت بی بی زینب عرف بی بی جنت رضی اللہ عنہا

بنت

حضرت رابعہ عصر بی بی زلیخا رضی اللہ عنہا

ہمشیرہ

حضرت سلطان المشائخ خواجہ سید نظام الدین اولیا محبوب الٰہی

یا صاحب الجمالو یا سید البشر

من وجھک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقه

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر صلی الله علیه وسلم

آپ کے سلسلے میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا ہے، لیکن مزار شریف پر لگے کتبہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ حضرت بی بی زلیخا صاحبہ کی بیٹی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جب آپ حضرت بی بی زلیخا صاحبہ کی صحبت میں زندگی گزاریں اور انھیں کے ساتھ دفن ہوئیں تو آپ کا مقام بزرگی میں حضرت زلیخا صاحبہ کی طرح ہی ہوگا۔ بلاشبہ ایک نیک صالح اور عبادت گزار خاتون تھیں۔

☆☆☆

(6)

حضرت بی بی حور و بی بی نور صاحبہ

(نزد درگاہ بی بی زلیخا، ادھ چینی)

خزینۃ الاصفیا، جلد۔۱، صفحہ نمبر ۲۱ کے حوالے سے سیر المنازل صفحہ نمبر ۲۴۴ میں لکھا ہے کہ بی بی حور و بی بی نور شیخ شہاب الدین سہروردی کی صاجزادی ہیں۔[۴۴]

حضرت بی بی زلیخا صاحبہ کے مزار مبارک سے لگے جوان کا حجرہ ہے اس حجرہ کے پچھّم جانب حجرے کی دیوار سے لگے حضرت بی بی حور اور بی بی نور کی مزار ہے جس پر ٹائلس لگا ہوا ہے۔

بی بی حور اور بی بی نور حضرت بی بی زلیخا کی خادمہ تھیں جوان کے ساتھ رہا کرتی تھیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی ہندوستان کے اعلیٰ مقام کے معروف بزرگ تھے جنھوں نے اپنی دونوں بیٹیوں کو دین سیکھنے اور اس پر عملی زندگی گزارنے کے لیے حضرت بی بی زلیخا کی خدمت میں بھیجا تھا، جو حضرت بی بی زلیخا کے خانقاہی نظام کو چلانے میں مدد کرتی تھیں، اور ہر وقت ان کی خدمت میں کھڑی رہتی تھیں، نیکی اور عبادت میں وہ بے مثال تھیں، یہ دونوں حضرت بی بی زلیخا علیھا الرحمہ کی عزیز شاگردوں میں سے تھیں، حضرت بی بی زلیخا ان دونوں

سے بے حد محبت کرتی تھیں اور کہا کرتی تھی کہ تم دونوں آخرت میں بھی مرے ساتھ رہو گی۔
حضرت بی بی زلیخا کے مزار کی زیارت سے پہلے حضرت بی بی حور اور بی بی نور کی مزار پر فاتحہ دیا جاتا ہے۔ جس طرح محبوب الٰہی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی مزار پر حاضری دینے سے قبل ان کے عزیز شاگرد حضرت امیر خسرو کی مزار پر حاضری دینا ہوتا ہے۔ یہاں کی تمام زمین بی بی حور اور بی بی نور کی ہی تھی اور آج بھی سرکاری ریکارڈ میں انھیں کا نام لکھا ہوا ہے۔ مزار پر کتبہ لگا ہے لیکن اس میں ولدیت اور وفات کی تاریخ نہیں لکھی ہے۔

(7)

حضرت بی بی رقیہ صاحبہ

(نزد درگاہ بی بی زلیخاء ادھ چنی)

بی بی رقیہ کے مزار شریف پر لگے کتبہ کے مطابق بی بی رقیہ بی بی زینب کی بیٹی ہیں یعنی حضرت بی بی زلیخا کی نواسی ہیں آپ کو بھی اپنی نانی صاحبہ حضرت بی بی زلیخا کی صحبت نصیب ہوئی تھی۔ آپ نہایت نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں، انتقال کے بعد والدہ محترمہ کے پہنتانے دفن ہوئیں، آپ کے مزار شریف پر ٹائلس لگا ہوا ہے اور مزار مبارک پر چادر اور گل پوشی کی گئی ہے۔ آپ کے مزار پر سنگ مرمر کا کتبہ لگا ہوا ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

۷۸۶

حق سبحانہ

لا الہ اللہ محمد الرّسول اللہ

حضرت بی بی رقیہ

دختر

حضرت بی بی زینب رحمۃ اللہ علیہا

نواسی

حضرت بی بی زلیخا حضور مائی صاحبہ

☆☆☆

----

(8)

حضرت بی بی فاطمہ صاحبہ

(نزد درگاہ شیخ نجیب الدین متوکل چشتی)

(میڈیکل مھرولی روڈ، ادہ چنی)

حضرت بی بی فاطمہ کے مزار شریف پر لگے کتبہ کے مطابق حضرت بی بی فاطمہ حضرت خواجہ شیخ فریدالدین گنج شکر چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی ہیں۔ حضرت بی بی زلیخا کی صحبت اختیار کرنے کے لیے بابا فریدالدین گنج شکر نے اپنی بیٹی بی بی فاطمہ کو پاک پٹن سے دہلی بھیجا تھا۔ آپ شیخ نجیب الدین متوکل چشتی کے ساتھ رہتی تھیں۔ شیخ نجیب الدین متوکل چشتی حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کے چھوٹے بھائی اور ان کے خلیفہ ہیں، آپ بے حد متوکل تھے۔ 70 برس شہر میں رہے مگر کوئی دنیاوی چیزیں ان کے پاس نہ تھیں، عبادت میں مشغول رہتے اور خدا پر متوکل، کہیں سے کچھ کھانا آ جاتا تو کھا لیتے تھے، پھر باقی وقت کے لیے خدا پر متوکل رہتے۔ آپ ادھ چنی گاؤں میں رہتے تھے۔ جب بی بی زلیخا بدایوں سے دہلی آئیں تو ادھ چنی گاؤں میں شیخ نجیب الدین متوکل چشتی کے مکان کے قریب ہی قیام کیا اور شیخ نظام الدین اولیاء کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے شیخ نجیب الدین متوکل چشتی کے پاس بھیجا،

یعنی آپ محبوب الٰہی کے استاد تھے۔

بی بی فاطمہ اپنے چچا شیخ نجیب الدین متوکل چشتی کے یہاں رہتی تھیں اور تعلیم و تربیت اختیار کرنے کے لیے حضرت بی بی زلیخا کی صحبت اختیار کی۔ آپ کا مزار بی بی زلیخا کی درگاہ کے احاطہ کے اتر جانب شیخ نجیب الدین متوکل چشتی کے مزار سے متصل واقع ہے۔ آپ کے مزار پر ٹائلس لگا ہوا ہے جس پر کتبہ بھی لگا ہے۔ مزار کے اوپر بارہ کھمبوں پر مشتمل ایک چھت ہے جو ایک بڑا ہال نما بنا ہوا ہے۔ واقعات دار الحکومت دہلی میں بیان ہے کہ آپ کے مزار کے ساتھ پانچ قبریں ہیں پہلا شیخ نجیب الدین متوکل چشتی کے بیٹے شیخ احمد کا، دوسرا شیخ نجیب الدین متوکل چشتی کا تیسرا ان کے بیٹے شیخ اسماعیل اور چوتھا ان کے بیٹے شیخ محمد کا، پانچواں شیخ فرید الدین گنج شکر کی بیٹی بی بی فاطمہ کا ہے۔[۲۵] لیکن افسوس اس مقام پر پانچ قبروں کی جگہ صرف دو قبریں باقی رہ گئی ہیں، پہلا شیخ نجیب الدین متوکل چشتی کا اور دوسرا بی بی فاطمہ کا۔ باقی شیخ نجیب الدین متوکل چشتی کے تینوں بیٹوں کی قبریں ناپید ہوگئی ہیں۔

بی بی فاطمہ صاحبہ کے مزار پر یہ کتبہ لگا ہے:

لا اله الله محمد الرّسول الله

مزار مقدس

حضرت بی بی فاطمہ صاحبہ بنت

حضرت خواجہ شیخ فرید الدین گنج شکر چشتی رحمۃ اللہ علیہ

اس درگاہ کا ایک بہت بڑا احاطہ ہے جو تقریباً دو ہزار گز میں ہے، جس میں تغلق زمانے کی ایک مسجد ہے اور اس مسجد کے اتر جانب ایک قدیم قبرستان ہے۔ اس درگاہ کا اپنا قدیمی داخلی دروازہ اب تک محفوظ ہے۔ اس کے احاطہ میں ایک مدرسہ چل رہا ہے، جس وجہ سے مسجد آباد ہے اور یہاں پر رونق رہتی ہے۔ درگاہ کے پورب جانب کی زمین پر لوگوں نے ناجائز طور پر قبضہ کر کے گھر بنالیا ہے۔

(9)

حضرت بی بی اولیاء صاحبہ

(عہد تغلق۔ نزد قلعہ علائی، مالویہ نگر)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبارالاخیار کے صفحہ نمبر ۵۸۸ پر لکھتے ہیں کہ بی بی اولیاء اپنے زمانہ کی نیک عورتوں میں سے تھیں، کہتے ہیں کہ چلہ کھینچنے کے لیے آپ چالیس دن تک حجرے میں رہتیں، اوراس کے دروازہ بند کرلیا کرتی تھیں اوراپنے ساتھ چالیس لونگ بھی لے جایا کرتی تھیں۔ جب چلہ سے باہر نکلتیں تو لوگ دیکھتے کہ آپ نے صرف چند لونگیں کھائی ہیں اور باقی ویسی ہی بچی ہوئی موجود ہیں۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق (۱۳۲۵۔۱۳۵۱ء) آپ کا معتقد تھا، آپ کا مزار دہلی میں قلعہ علائی کے باہر واقع ہے، آپ کی بکثرت اولاد ہوئی جن میں سے ایک لڑکی کا نام اولیاء رکھا۔

نیز آپ کی اولاد میں سے ایک شخص جس کا نام شیخ احمد تھا جو نہایت پختہ کار تھے، جو اکثر و بیشتر مشائخین کی صحبت یافتہ تھے۔[۳٦]

لیکن افسوس آپ کا مزار قلعہ علائی کے اطراف میں کہاں ہے نہیں پتہ چل سکا، قلعہ علائی کے اطراف میں کھیل گاؤں اور مالویہ نگر کالونی بس گئی ہے، جس میں لوگوں نے مکانات تعمیر کرلیے ہیں، اوراسی آبادی میں آپ کا مزار گم ہوچکا ہے۔

☆☆☆

(10)

بی بی جہاں آرا بیگم صاحبہ

(1681ء،احاطہ درگاہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء)

فقیروں سے محبت

جہاں آرا بیگم جو مغل بادشاہ شاہجہاں کی بیٹی ہیں۔آپ کا مجاز درویشانہ تھا۔فقیروں سے بے حد محبت کرتی تھی۔دہلی کے کسی علاقے سے گزر رہی تھیں کہ ایک فقیر آواز لگا رہا تھا''ایک روٹی دو جنت لو' جہاں آرا بیگم نے اس فقیر کو ایک روٹی عطا کی۔اسی دن رات میں اس کا بھائی اورنگ زیب یہ خواب میں دیکھتا ہے کہ میں جنت میں ٹہل رہا ہوں اور جہاں آرا میرے آگے آگے چل رہی ہے۔جب صبح ہوئی تو اس نے اپنی بہن جہاں آرا کو بلایا اور پوچھا کہ تم کون سا عمل کرتی ہو جو تمھیں کل رات میں نے خواب میں جنت میں ٹہلتے ہوئے دیکھا،اس نے کہا کچھ خاص عمل تو نہیں کرتی روزہ،نماز اور نفل نماز کے علاوہ میں اللہ کے بندوں سے خاص کر فقیروں سے زیادہ دلچسپی رکھتی ہوں اور بزرگوں کا عقیدت مند ہوں۔اورنگ زیب نے جب اس کی بات سنی تو وہ بھی فقیروں کے خدمت میں حاضر ہوا،تو ایک فقیر یہ آواز لگا رہا تھا''ایک روٹی دو جنت لو' اورنگ زیب نے اسے ایک روٹی پیش کی تو فقیر نے کہا تمھارے لیے نہیں

ہے، کیونکہ تم کل رات جنت دیکھ چکے ہو اور تم جنت خریدنے کے خواہش مند ہو، اگر تمھیں جنت خریدنا ہے تو اپنی بادشاہت دینی پڑے گی، بولو تیار ہو؟ تمھاری بہن جو فقیروں مسکینوں کی قدرداں ہے۔ کل اسے ایک روٹی میں ہی جنت عطا کر دیا۔ فقیر کی بات سن کر جو جنت کے بدلے پوری بادشاہت مانگ رہا تھا، اورنگ زیب مایوس ہو کر لوٹ گیا۔

شہزادی جہاں آرا بیگم اپنی پوری زندگی کو اللہ کی عبادت اور اس کے بندوں کی خدمت میں لگا دی اس نے اپنی زندگی میں آگرہ میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور دہلی میں فتح پوری مسجد کے پاس ایک باغ لگوایا اور اس میں میٹھے پانی کا ایک کنواں کھدوایا۔ اس کے لگوائے ہوئے باغ میں آج چاندنی چوک بازار بنا ہوا ہے، پرانی دہلی ریلوے اسٹیشن کے قریب سڑک پر اس کا کھدوایا ہوا کنواں آج بھی چلتے پھرتے لوگوں کی پیاس بجھاتا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے عقیدت

جہاں آرا بیگم کو بزرگوں سے خاص لگاؤ تھا، وہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے خاص دلچسپی رکھتی تھی ان کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے کئی بار اجمیر گئی جس کی تفصیل اس نے اپنی تحریری کتاب ''مونس الارواح'' میں کیا ہے جو اس طرح ہے۔

ایک مرتبہ اس نے اپنے والد شاہجہاں بادشاہ کے ساتھ 1639ء میں اجمیر آ کر روضۂ غریب نواز پر حاضری دی۔ اس حاضری کے واقعات وہ خود اپنی کتاب ''مونس الارواح'' میں لکھتی ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے: ''فقیرہ جہاں آرا بیگم جب اپنی خوش قسمتی سے

اپنے والد (شاہجہاں بادشاہ) کے ساتھ 13 شعبان 1639ء میں آگرہ سے روانہ ہو کر 7 رمضان 1639ء میں جمعہ کے دن اجمیر پہنچی اور اناساگر کی عمارتوں میں قیام کیا۔'' اس حاضری کے متعلق شہزادی موصوفہ یہ بھی لکھتی ہیں کہ بادشاہ شاہجہاں کو ایک زمانہ تک حضرت بزرگ کی سیادت تسلیم نہیں تھی۔ مگر دوران قیام اجمیر ایک دن حضرت خواجہ بزرگ کی نسبت سے ابوالفضل کی تحریر پڑھی اور بادشاہ نے جہاں آرا کا قول مان لیا۔[۲۷]

اس کے بعد شہزادی موصوفہ نے 1643ء میں اپنے والد کے ساتھ اجمیر آ کر روضۂ غریب نواز پر حاضری دی۔ اس حاضری کے متعلق جہاں آرا کا بیان مندرجہ کتاب ''مونس الارواح'' کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔ یہ واقعات قلمی نسخہ میں نہیں ہے مگر مطبوعہ کے آخر میں لکھا ہے۔ ''میں بتاریخ 18 شعبان کو اپنے والد بزرگوار کے ساتھ آگرہ سے اجمیر روانہ ہوئی اور 7 رمضان المبارک 1643ء کو وہاں پہنچی۔ اس میں میرا یہ معمول رہا کہ ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرنے کے بعد سورۃ یٰسین اور سورۃ فاتحہ نہایت ہی اخلاص اور عقیدت مندی سے پڑھ کر اس کا ثواب حضرت خواجہ بزرگ کی روح پرفتوح کی نذر کرتی رہی۔''[۲۸]

''کچھ دنوں تک تالاب آناساگر کی عمارت میں میرا قیام رہا اس عرصہ میں خواجہ بزرگ کے ادب و تعظیم میں کبھی پلنگ پر نہ سوئی اور نہ روضۂ اقدس کی جانب کبھی پشت اور پاؤں کیے۔ دن بھر درختوں کے سایہ میں گزار دیتی تھی۔'' ''آنحضرت کی برکت سے اسی شب میں مولود کی اور خوب چراغاں کیا۔ الحمد اللہ والمنت و صد ہزار شکر کہ

جمعرات کے دن بتاریخ 14 رمضان المبارک کو حضرت پیر دستگیرؒ کے مرقد منور کی زیارت نصیب ہوئی۔ایک پہر دن کا باقی تھا کہ طواف کیا۔مزار پاک کی خاک وخوشبو کو سرمۂ چشم بنایا۔اس سے دل پر جو ذوق وشوق کی حالت اور کیفیت طاری تھی وہ تحریر میں نہیں آسکتی ہے۔میں نے قبر شریف پر عطر اپنے ہاتھوں سے ملایا اور چادر گل جو میں اپنے سر پر رکھ لائی تھی اُسے مزار شریف پر پیش کی۔اس کے بعد میں نے سنگ مرمر کی مسجد میں آکر نماز پڑھی۔یہ مسجد دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ خرچ کر کے والد بزرگوار نے تعمیر کرائی تھی۔پھر گنبد مبارک میں بیٹھ کر سورۃ یٰسین وسورۃ فاتحہ حضرت خواجہ کی روح پرفتوح پڑھی اور مغرب تک وہاں حاضر رہی اور آنحضرت کے یہاں شمع روشن کر کے آب جھالرہ سے روزہ افطار کیا۔عجب شام تھی جو صبح سے بہتر تھی۔اس متبرک مقام سے گھر آنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر مجبور تھی۔اگرچہ خودمختاری ہوتی تو ہمیشہ اسی گوشۂ عافیت میں بسر کرتی۔ناچار روتی ہوئی اس درگاہ سے رخصت ہو کر گھر آئی۔تمام رات بے قراری میں کٹی۔صبح کو جمعہ کے دن والد بزرگوار کے ساتھ آگرہ روانہ ہوئی۔"[۳۹]

درگاہ شریف میں تعمیراتی کام

جہاں آرا بیگم نے درگاہ شریف کے گنبد کے قریب 1643ء میں ایک دالان تعمیر کرایا جو بیگمی دالان کے نام سے مشہور ہے درگاہ شریف کے احاطے میں تعمیر سبھی عمارتوں میں بیگمی دالان کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔یہاں لوگ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

جہاں آرا بیگم نے خواجہ غریب نواز کے مزار کی چاروں طرف سنگ مرمر کے استعمال سے ایک نہایت نفیس کٹہرہ تعمیر کرایا، جو آج بھی اپنے صحیح صورت حال میں باقی ہے۔[۱۲]

شیخ نظام الدین اولیاء سے عقیدت

شہزادی جہاں آرا بیگم کو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے بھی عقیدت تھی، ان کے مزار مبارک پر حاضری دیا کرتی تھی۔ شیخ نظام الدین اولیاء سے اتنا لگاؤ تھا کہ اپنی آخری آرام گاہ ان کے قدموں میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے بھائی اورنگ زیب سے اپنی دختری حصہ مانگی اور اسے خاص کر شیخ نظام الدین اولیاء کے مجاوروں و خادموں کو عطا کر وہاں دفن ہونے کے لیے زمین خریدی اور شیخ نظام الدین اولیاء کے مزار مبارک کے دروازہ کے سامنے سنگ مرمر کا ایک مجر بنوایا اور انتقال کے بعد یہیں دفن ہوئی۔ شہزادی جہاں آرا بیگم کی زندگی ایک صوفیانہ زندگی تھی۔ اس نے دنیا میں ہی فقیروں کی قدردانی کر کے جنت خرید لی تھی اور حیات کے بعد کی زندگی بھی محبوب الٰہی کے قدموں میں گزارنے کا موقع نصیب ہوا۔

آپ کا مزار

آپ کا مزار حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے پیتانے صحن سے لگا ہوا لال پتھر کی بنی خلجی مسجد سے متصل واقع ہے، جو ایک مجر کے اندر ہے جو سات فٹ اونچی چاروں طرف سے نہایت نفیس سنگ مرمر کی جالیوں سے گھرا ہے، جو آج بھی محفوظ حالت میں ہے مزار پر یہ کتبہ لگا ہے:

هو الحی القیوم

بغیر سبزہ نپو شد کسے مزار مرا   کہ قبر پوش غریبان ہمیں گیاہ بس است

الفقیرہ الفانیہ جہان آرا مریدہ خواجگان چشت

بنت شاہجہاں بادشاہ غازی انار اللہ برہانہ ۱۰۹۲ھ

مزار شریف پر لگے کتبہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں آرا بیگم چشتی بزرگوں کی مریدہ تھی اور اس فقیرہ جہاں آرا بیگم کی وفات 1681 میں ہوئی۔

☆☆☆

(11)

حضرت بی بی بائی جی صاحبہ

واقعات دارالحکومت دہلی کے حوالے سے رہنمائے مزارات دہلی کے صفحہ نمبر ۴۰۶ پر آپ کے سلسلے سے بیان ہے کہ آپ کا اصلی نام معلوم نہیں ہوسکا۔ لوگوں میں بائی جی کے نام سے مشہور تھیں۔ گفتگو کے دوران اکثر قرآنی آیات ''انا اعطیناک الکوثر'' کی تلاوت کرتی تھیں۔ جب کوئی حاجت کے واسطے ان کے پاس جاتا تو وہ اپنے گھر سے سترہ کوڑیاں لے کر جاتا تھا۔ آپ ان کوڑیوں کو سترہ مرتبہ زمین پر رکھتیں اور ہر مرتبہ انا اعطیناک الکوثر پڑھتیں۔ اور جو دل میں آتا فرماتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بات کو پورا فرما دیتا تھا۔ آپ کی وفات ۱۸۴۱ء میں ہوئی، دہلی میں دفن ہوئیں، لیکن آپ کا مزار کہاں ہے نہیں پتہ چل سکا۔[۴۱]

(12)

حضرت بی بی خانم صاحبہ

واقعات دارالحکومت دہلی کے حوالے سے راہنمائے مزارات دہلی کے صفحہ نمبر ۴۰۵ پر آپ کے سلسلے سے بیان ہے کہ آپ ایک اللہ والی عورت تھیں۔ ہر وقت حالتِ جذب میں رہتی تھیں۔ دہلی کے عوام وخواص آپ کی بارگاہ میں دعا کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ وہ جو کچھ کہہ دیتی تھیں، اللہ اسے پورا کر دیتا تھا۔ آپ کی وفات ۱۸۴۲ء میں ہوئی۔ دہلی میں دفن ہوئیں، لیکن افسوس کہ آپ کا مزار کہاں ہے نہیں پتہ چل سکا۔ [۴۲]

صوفیاء کی کچھ تعلیمات

☆ تقویٰ کے راستے کو اپناؤ کامیاب رہو گے۔

☆ زندگی صبر اور امید کے ساتھ بسر کرو۔

☆ مشائخ سے تعلق قائم کرو کیونکہ وہ خدا کے دوست ہیں، ان کے وسیلے سے خدا کی قربت حاصل ہوگی۔

☆ معاشرتی تعلقات کم رکھو اور لوگوں سے دوستی کم کرو۔ سکھی رہو گے۔

☆ لالچ اور زیادہ آرام کی خواہش کو چھوڑ دو ورنہ پریشان رہو گے۔

☆ دوست اور اپنے قریبی رشتہ داروں سے امید مت رکھو، ان کا ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر سمجھو، ورنہ ان سے ناامیدی کے سوا کچھ اور حاصل نہیں ہوسکتا۔

☆ کسی کو نیچا اور کمتر مت سمجھو، بلکہ خود کو سب سے حقیر سمجھو۔

☆ اپنی تعلیم وعبادت اور پرہیزگار ہونے پر فخر مت کرو۔

☆ جہاں تک ممکن ہو اپنی خواہشات کے خلاف کام کرو۔ اپنی خواہشات کو مٹاؤ، لیکن اتنا سخت مت ہو جاؤ کہ کسی کی وفاداری یا محبت میں رکاوٹ پیدا ہو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

☆ جن لوگوں کو اپنی زندگی میں تکلیف اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ ان کے اخلاق و کردار کا نتیجہ ہوتا ہے، اسی کا پھل ہوتا ہے، اگر بڑوں کا ادب کیا جائے اور چھوٹوں سے محبت سے ملا جائے تو کوئی شخص تمھارے ساتھ برائی نہیں کرے گا۔

(مرزا مظہر جانِ جاناں شہید دہلویؒ)

اس کتاب کے مرتب کرنے میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے

(۱) مزاراتِ اولیاء دہلی، از محمد عالم شاہ، (اردو)، دہلی، 1930ء، صفحہ نمبر۔ 78-77

(۲) مزاراتِ اولیاء دہلی، مرتب: ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن، (اردو)، فرید بک ڈپو، دہلی (2006ء)، صفحہ نمبر۔ 92

(۳) سن 2000ء میں مزار شریف کے سرہانے سنگ مرمر پر کندہ یہ کتبہ نوٹ کیا گیا ہے۔

(۴) سیر العارفین، از مولانا جمالی، (فارسی)، مطبع دہلی، (1311ھ)، صفحہ نمبر۔ 101

(۵) سیر الاولیا، از امیر خورد کرمانی، (فارسی)، مطبع محب ہند پریس، دہلی، (1302)، صفحہ نمبر۔ 168

(۶) مزارات اولیاء دہلی، مرتب: ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن، (اردو)، فرید بک ڈپو، دہلی، (2006ء)، صفحہ نمبر۔ 32

(۷) تاریخ فیروز شاہی، از ضیاالدین برنی، مرتبہ: سر سید احمد خاں، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، (1860ء) صفحہ نمبر۔ 231

(۸) اخبار الاخیار، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (فارسی) مجتبائی پریس، دہلی، (1309ھ)، صفحہ نمبر: 286

(۹) سیر العارفین، از مولانا جمالی، (فارسی)، مطبع: محب ہند پریس، دہلی، صفحہ نمبر۔ 101

(۱۰) اخبار الاخیار، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (فارسی) مجتبائی پریس، دہلی، (1309ھ)، صفحہ نمبر: 286

(۱۱) بی بی فاطمہ سام، از خلیق احمد نظامی، (اردو)، دہلی، (1982ء)، صفحہ نمبر۔ 9

(۱۲) جوامع الکلم، از سید محمد گیسودراز، مرتبہ: سید محمد اکبر حسینی، مطبع: انتظامی پریس، حیدر آباد، صفحہ۔ 52

(۱۳) فوائد الفواد، مرتبہ: خواجہ میر حسن علا سنجری، مطبع: نول کشور پریس، لکھنؤ، (1302ھ)، صفحہ نمبر۔ 35

(۱۴) فوائد الفواد، از، مرتبہ: خواجہ میر حسن علا سنجری، مطبع، نول کشور پریس، لکھنؤ، (1302ھ)، صفحہ نمبر۔ 35

(۱۵) معارج الولایت، ازغلام معین الدین عبداللہ خویشگی، (قلمی نسخہ فارسی)، جلد۔2،صفحہ نمبر۔833-834

(۱۶) فوائدالفواد، مرتبہ: خواجہ میر حسن علا سنجری، مطبع: نول کشور پریس لکھنؤ، (1302ھ)، صفحہ نمبر۔833-834

(۱۷) جوامع الکلم، ازسید محمد گیسودراز، مرتبہ: سید محمد اکبر حسینی، مطبع: انتظامی پریس، حیدرآباد، صفحہ نمبر۔51

(۱۸) بی بی فاطمہ سام، ازخلیق احمد نظامی، (اردو) دہلی، (1982ء)، صفحہ نمبر۔14

(۱۹) فوائدالفواد، مرتبہ: خواجہ میر حسن علا سنجری، مطبع: نول کشور پریس لکھنؤ، (1302ھ)، صفحہ نمبر۔417-418

(۲۰) جوامع الکلم، ازسید محمد گیسودراز، مرتبہ: سید محمد اکبر حسینی، مطبع: انتظامی پریس، حیدرآباد، صفحہ نمبر۔50-51

(۲۱) خیرالمجالس، مرتبہ: حمید قلندر، (فارسی)، اردوترجمہ سراج المجالس، دہلی، (1315ھ)، صفحہ نمبر۔138

(۲۲) خزینۃ الاصفیا، ازمولانا غلام سرور، مطبع: ثمرہند پریس لکھنؤ، (1873ء)، صفحہ نمبر۔422

(۲۳) جوامع الکلم، ازسید محمد گیسودراز، مرتبہ: سید محمد اکبر حسینی، مطبع: انتظامی پریس، حیدرآباد، صفحہ نمبر۔51

(۲۴) خیرالمجالس، مرتبہ: حمید قلندر، (فارسی)، اردوترجمہ سراج المجالس، دہلی، (1315ھ)، صفحہ نمبر۔277

(۲۵) بزم صوفیہ، ازسید صباح الدین عبدالرحمٰن، مطبع، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، صفحہ نمبر۔218

(۲۶) بزم صوفیہ، ازسید صباح الدین عبدالرحمٰن، مطبع، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، صفحہ نمبر۔218

(۲۷) تاریخ دعوت وعزیمت، ازمولانا ابوالحسن علی ندوی، مطبع لکھنؤ، (2008)، حصہ سوم، صفحہ نمبر۔52

(۲۸) تاریخ دعوت وعزیمت، ازمولانا ابوالحسن علی ندوی، مطبع لکھنؤ، (2008)، حصہ سوم، صفحہ نمبر۔54

(۲۹) تاریخ دعوت وعزیمت، ازمولانا ابوالحسن علی ندوی، مطبع لکھنؤ، (2008)، حصہ سوم، صفحہ نمبر۔56

(۳۰) اخبارالاخیار، ازشیخ عبدالحق محدث دہلوی، (اردو)، مطبع: ادبی دنیا، دہلی، (1994ء)، صفحہ نمبر۔586

(۳۱) اخبارالاخیار، ازشیخ عبدالحق محدث دہلوی، (اردو)، مطبع: ادبی دنیا، دہلی، (1994ء)، صفحہ نمبر۔586

(۳۲) اخبارالاخیار، ازشیخ عبدالحق محدث دہلوی، (اردو)، مطبع: ادبی دنیا، دہلی، (1994ء)، صفحہ نمبر۔588

(۳۳) مزارات اولیا، دہلی، مرتب: ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن، مطبع: فرید بک ڈپو، دہلی، (2006ء)، صفحہ نمبر۔75

(۳۴) سیر المنازل، ازمرزا سنگین بیگ، (اردو ترجمہ)، مطبع: غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، (1982ء)، صفحہ نمبر۔244

(۳۵) واقعات دارالحکومت دہلی، ازبشیرالدین احمد، مطبع دہلی، (1990)، جلد 3، صفحہ نمبر۔159

(۳۶) اخبارالاخیار، ازشیخ عبدالحق محدث دہلوی، (اردو)، مطبع: ادبی دنیا، دہلی، (1994ء)، صفحہ نمبر۔588

(۳۷) کتاب التحقیق، ازمنشی امین الدین، (اردو)، مطبع: صوفی پریس، اجمیر، صفحہ نمبر۔250

(۳۸) احسن السیر، ازمحمد اکبر جہاں اجمیری، (اردو)، مطبع: مفید عام پریس، آگرہ، (1294ھ)، صفحہ نمبر۔46-44

(۳۹) احسن السیر، ازمحمد اکبر جہاں اجمیری، (اردو)، مطبع: مفید عام پریس، آگرہ، (1294ھ)، صفحہ نمبر۔46-44

(۴۰) احسن السیر، ازمحمد اکبر جہاں اجمیری، (اردو)، مطبع: مفید عام پریس، آگرہ، (1294ھ)، صفحہ نمبر۔44-43

(۴۱) رہنمائے مزارات دہلی، ازمحمد عاصم القادری سنبھلی، مطبع دہلی، صفحہ نمبر۔406

(۴۲) رہنمائے مزارات دہلی، ازمحمد عاصم القادری سنبھلی، مطبع دہلی، صفحہ نمبر۔405

☆☆☆

دہلی کے مقاماتِ خیر

شاہ جہاں آباد کے، جامع مسجد علاقے میں

سید صدر الدین شاہ عرف بھورے شاہ	(1575ء)	لال قلعہ میدان۔
شیخ شاہ کلیم اللہ شاہ جہانا آبادی	(1729ء)	جامع مسجد، کبوتر مارکیٹ۔
شاہ سرمد شہید	(1659ء)	جامع مسجد کے داخلی دروازے پر
سید ابوالقاسم سبزواری [ہرے بھرے شاہ]	(1683ء)	جامع مسجد کے داخلی دروازے پر
میران شاہ نانو اور شاہ جلال	(1719-48)	فتح پوری مسجد

ترکمان گیٹ کے علاقه میں واقع درگاهیں

شاہ ترکمان بیابانی	(1369ء)	ترکمان گیٹ سے ملا ہوا
شمس العارفین ترکمان شاہ (عرف دادا پیر)	(1240ء)	ترکمان گیٹ، محلّہ قبرستان
مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ	(1780ء)	کوچہ میر ہاشم، چتلی قبر
میر محمدی	(1826ء)	چتلی قبر

اجمیری گیٹ کے علاقے میں واقع درگاہ

حافظ شاہ سعد اللہ نقشبندی	(1739ء)	احاطہ اینگلو عربک اسکول

کشمیری گیٹ کے علاقہ میں واقع درگاھیں

شیخ العالمین عطاء اللہ	(1769ء)	گلی پنجہ والی کشمیری گیٹ
پنجہ شریف		گلی پنجہ والی، کشمیری گیٹ

دلّی گیٹ مولانا آزاد میڈیکل کالج کے علاقے میں

سید بدرالدین شاہ سمرقندی	(1297ء)	فیروز شاہ کوٹلہ
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	(1762ء)	مہدیان
خواجہ علی احمد خاں احراری	(1784ء)	چونسٹھ کھمبا مسجد
سید شاہ صابر علی چشتی صابری	(1822ء)	دریا گنج
صوفی بزرگ (نامعلوم)		نزد حرا اسکول، مہدیان

پہاڑ گنج علاقے میں واقع درگاھیں

قدم شریف	(1376ء)	بستی نبی کریم، پہاڑ گنج
خواجہ باقی باللہ	(1603ء)	عیدگاہ روڈ
شاہ سعد اللہ گلشن	(1740ء)	قطب روڈ، آرام نگر

کناٹ پلیس علاقہ میں واقع درگاھیں

سید حسن رسول نما	(1691ء)	پنچ کوئیاں روڈ، کناٹ پلیس
عبدالسلام فریدی		میرینا ہوٹل، کناٹ پلیس
خدانما	(1694ء)	بھولی بھٹیاری، کرول باغ،
نورنما		پہاڑ گنج

بستی حضرت نظام الدین (غیاث پور) میں

شیخ نظام الدین اولیاء	(1325ء)	غیاث پور
امیر خسرو	(1325ء)	احاطہ درگاہ نظام الدین اولیاء
شیخ شمس الدین ادتاد اللہ عرف پتے شاہ	(1300ء)	نزد نیو ہورائزن اسکول
شیخ امام الدین اسماعیل فردوسی قادری	(1329ء)	نزد،اوبرائے ہوٹل
شیخ نور محمد بدایونی	(1722ء)	شیخ پیراں قبرستان
چلہ گاہ (خانقاہ شیخ نظام الدین اولیاء)		نزد ہمایوں کا مقبرہ
سیدنا غازی اور سیدنا قیصر میاں		نزد حضرت نظام الدین ریلوے اسٹیشن

آئی۔ ٹی۔ او ، پرگتی میدان علاقہ میں واقع درگاہیں

شیخ محمد چشتی	(1708ء)	نزد ڈی۔ڈی۔اے ٹاور، آئی۔ٹی۔او
شیخ ابوبکر طوسی حیدری (مٹکا پیر)	(1257ء)	پرگتی میدان
عبدالقادر بیدل	(1720ء)	نزد مٹکا پیر
شیخ نورالدین ملک یار پرّاں	(1281ء)	نزد مٹکا پیر

چراغ دلّی علاقہ میں واقع درگاہیں

شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی	(1356ء)	احاطہ چراغ دلّی
شیخ زین الدین علی	(1424ء)	احاطہ چراغ دلّی
شیخ علامہ کمال الدین	(1355ء)	احاطہ چراغ دلّی

شیخ بابا فریدالدین گنج شکر کے پوتے		احاطہ چراغ دلّی
درگاہ خلیفہ شیخ چراغ، دہلی		احاطہ چراغ دلّی
شیخ جلال الدین چشتی	(1383ء)	شیخ سرائے، فیس۔2

مالویہ نگر علاقہ میں واقع درگاھیں

شیخ علاؤالدین	(1541ء)	ساوتری نگر، شیخ سرائے
شیخ صلاح الدین	(1348ء)	ساوتری نگر، شیخ سرائے
شیخ کبیرالدین اولیاء	(1394ء)	ساوتری نگر، شیخ سرائے
شیخ عثمان سیاح	(1337ء)	کھڑکی گاؤں
شیخ یوسف قتال	(1526ء)	کھڑکی گاؤں
شیخ فریدالدین بخاری	(1616ء)	بیگم پور
شیخ حیدر، عرف ڈھولا پیر	(1357ء)	لاڈوسرائے
شیخ ضیاالدین رومی	(1321ء)	کالوسرائے، بیگم پور

مھرولی علاقہ میں واقع درگاھیں

شیخ سلیمان	(1537ء)	ظفرمحل سے مغرب میں
صوفی بزرگ (نامعلوم)		نزد شیخ سلیمان، ظفرمحل سے مغرب میں)
شیخ عبدالحق محدث دہلوی	(1642ء)	نزد حوض شمسی، مہرولی
شیخ سماع الدین سہروردی	(1495ء)	نزد حوض شمسی، مہرولی
شیخ شہاب الدین عاشق اللہ	(1317ء)	نزد عیدگاہ، مہرولی

مولانا شیخ مجد الدین حاجی	(1232ء)	لودھی سرائے، مہرولی
خواجہ قطب الدین بختیار کاکی	(1235ء)	مہرولی
شیخ عبدالعزیز بسطامی		احاطہ کاکی، مہرولی
قاضی شیخ حمید الدین ناگوری	(1446ء)	احاطہ کاکی، مہرولی
مولانا فخر الدین چشتی	(1784ء)	احاطہ کاکی، مہرولی
بی بی حنبل صاحبہ		احاطہ کاکی، مہرولی
مولانا ناصح الدین		احاطہ کاکی، مہرولی
بی بی سارہ صاحبہ	(1240ء)	احاطہ کاکی، مہرولی
شیخ نظام الدین ابوالمعید	(1273ء)	احاطہ کاکی، مہرولی
مولانا شیخ جمالی وکمالی	(1535ء)	ڈی ڈی اے پارک، مہرولی
بی بی زلیخا (مائی صاحبہ)	(1259ء)	ادھ چنی گاؤں، مہرولی
شیخ نجیب الدین متوکل چشتی	(1265ء)	ادھ چنی گاؤں، مہرولی
شیخ نجیب الدین فردوسی	(1332ء)	اولیا مسجد، حوض شمسی، مہرولی
ناصر الدین محمود (سلطان غازی)	(1229ء)	مہی پال پور
سلطان شمس الدین التمش	(1236ء)	احاطہ قطب مینار، مہرولی

دھلی کے دوسرے علاقوں میں واقع درگاھیں

سید شاہ عالم	(1721ء)	وزیر آباد، احاطہ مسجد فیروز شاہی
شاہ محمد فرہاد	(1732ء)	باغیچہ پیر جی، باڑا ہندو راؤ
مخدوم صاحب		کھیل گاؤں، میفائر گارڈن

سید محمود بہار	(1376ء)	کلوکھری گاؤں
شیخ رکن الدین فردوسی	(1299ء)	کلوکھری گاؤں، نزد، گرودوارہ
بی بی فاطمہ سام	(1245ء)	کاکانگر، نزد پرانہ قلعہ
شاہ مرداں	(1724ء)	جورباغ کالونی
سید عارف علی شاہ	(1661ء)	جورباغ کالونی
شاہ محمد آفاق	(1835ء)	روشن آرا روڈ

ان سبھی مقامات کی تفصیلات اولیائے دھلی کی درگاھیں (اسّی خواجه کی چوکھٹ) هندی مین رنگین فوٹوگراف کے ساتھ 400صفحات میں دی گئی ھیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست

کتاب کا نام	زبان	ایڈیشن	قیمت
دہلی کے بتیس خواجہ کی چوکھٹ	ہندی	2005	95/-
مقاماتِ اولیاءِ دہلی	ہندی	2005	50/-
تصوف اور خواتینِ اولیاءِ دہلی	اردو	2011	50/-
اولیائے دہلی کی درگاہیں (۸۰ خواجہ کی چوکھٹ)	ہندی	2011	786/-
مزاراتِ اولیاءِ دہلی	اردو	2006	60/-
تصوف کا اتکرش ایوم صوفیوں کا اتہاس	ہندی	2005	275/-
تصوف ایوم شیخ ابوبکر طوسی حیدری قلندر عرف مٹکا پیر	اردو/ ہندی	2003	25/-
مقاماتِ اولیاءِ روہیل کھنڈ	(ہندی)	2010	320/-
تصوف اور صوفیوں کا کردارِ عمل اور مسلمانوں میں اختلاف کے اسباب	اردو	2006	50/-
تصوف کے ارتقا اور صوفیا کی تواریخ، عرب سے ہندوستان تک	اردو	زیرِ طبع	......
خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ اور اجمیر کے آثارِ قدیمہ	اردو	زیرِ طبع	......
میر سید علی ہمدانی کی خانقاہ کا جائزہ	ہندی مضمون	2003	650

تصوف اور شیخ شرف الدین احمد منیری	اردو	2011	100/-
فلسفۂ حیات	اردو/ہندی	2009	50/-
تصوف کے دو بڑے ستون: شیخ علی ہجویری اور شیخ شرف الدین احمد منیری	اردو	زیر طبع	
تصوف اینڈ سورسیز آف تصوف	انگریزی	زیر طبع	
اوریجن آف تصوف اینڈ ہسٹری آف صوفی موومنٹ، عرب ٹو انڈیا	انگریزی	زیر طبع	
تصوف کیا ہے	ہندی	2005	جرنل پٹنہ
ہندوستانی میں صوفی تحریک کا اتکرس اور صوفیاء کا یوگدان	ہندی	2006	جرنل پٹنہ
روہیل کھنڈ کا اتہاس ایوم سنسکرتی	ہندی	2006	100/-
مدھیہ کالین بھارتیہ کلا ایوم استھاپتیہ کلا (ویشیشتائیں ایوم وکاس)	ہندی	2005	95/-
مدھیہ کالین نگر، امروہہ اور مراد آباد کا اتہاس ایوم سنسکرتی	ہندی	زیر طبع	
میں رام پور ہوں، رام پور کا اتہاس ایوم سنسکرتی	ہندی	زیر طبع	
ہسٹری آف اسپیشل ایجوکیشن ان انڈیا	انگریزی	2005	375/-
کی ایشوز ان ٹیچر ایجوکیشن، ٹیچرس فار سیکنڈری اسکول	انگریزی	2005	300/-

Research by:

UNIVERSAL SUFI-SAINTS STUDY AND PEACE FOUNDATION

(Regd.),C-210, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, New Delhi- 110025

Mob. 9811219581, E-mail: sspfoundation@gmail.com

حضرت بی بی ضبل صاحبہ کی مزار مبارک (مہرولی)
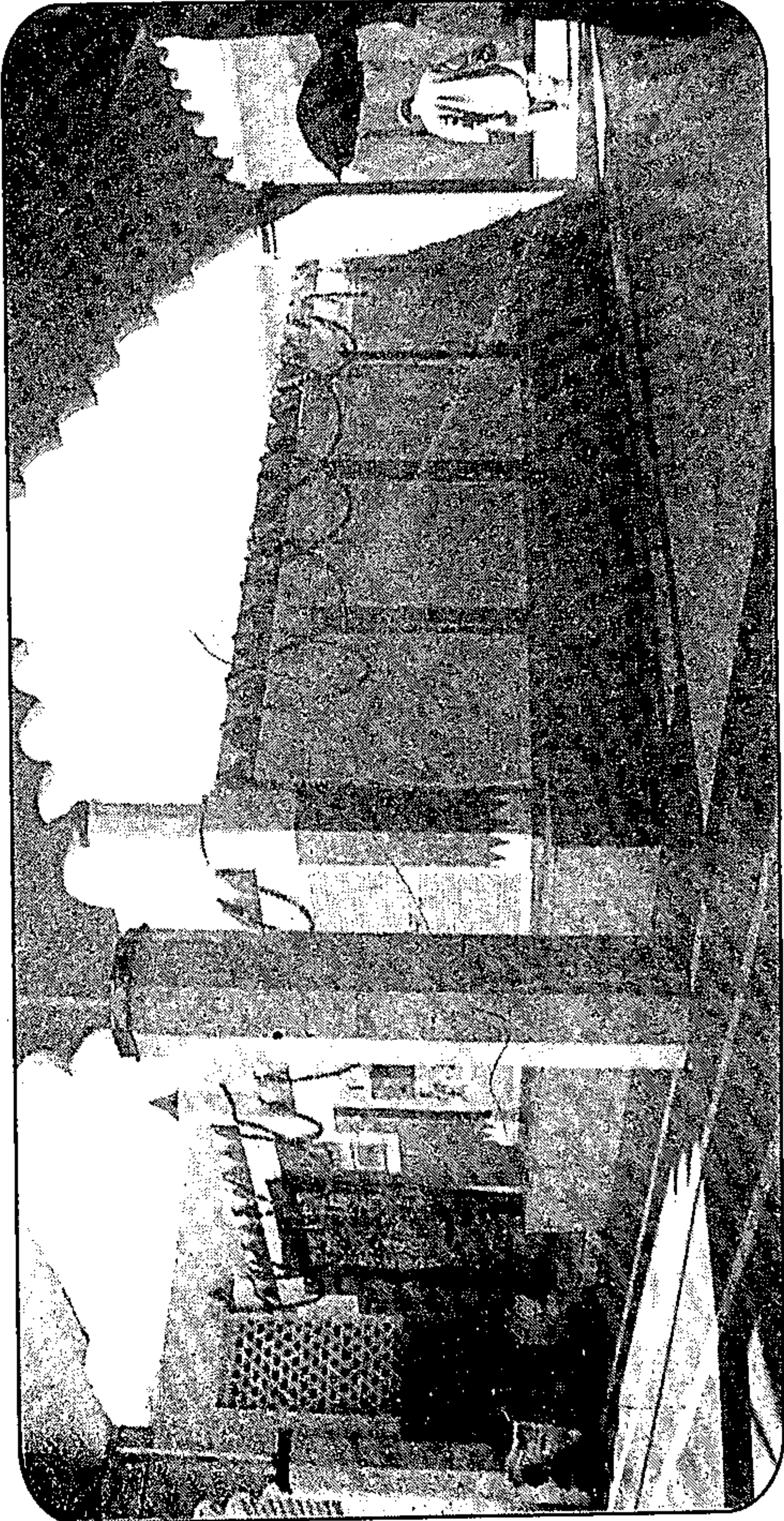
حضرت بی بی فاطمہ سام صاحبہ کی پرانی تعمیر کردہ درگاہ شریف کی عمارت، (کاکانگر)
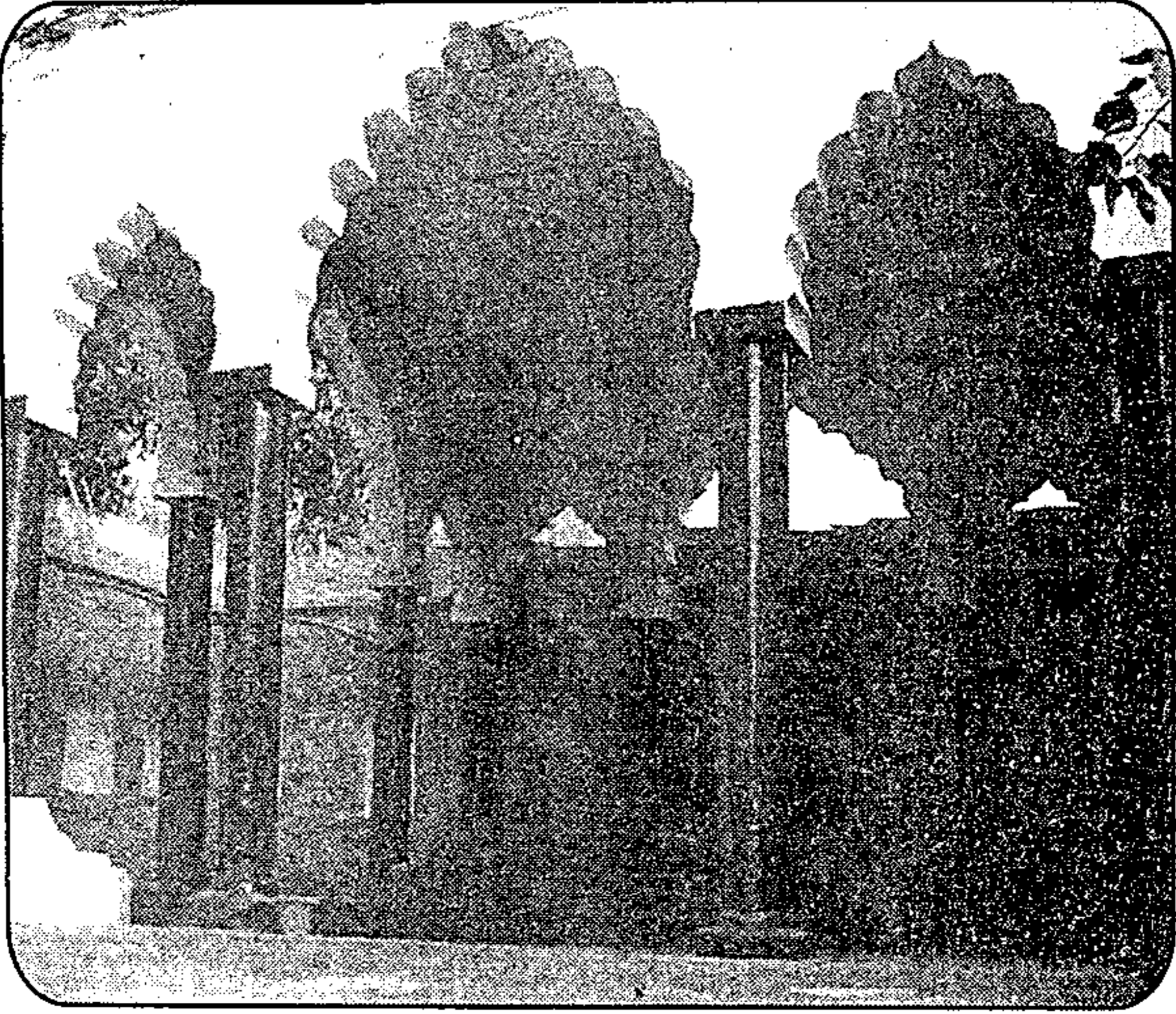
حضرت بی بی فاطمہ سام صاحبہ کی درگاہ شریف کی موجودہ تعمیر کردہ گنبد، (کاکانگر)
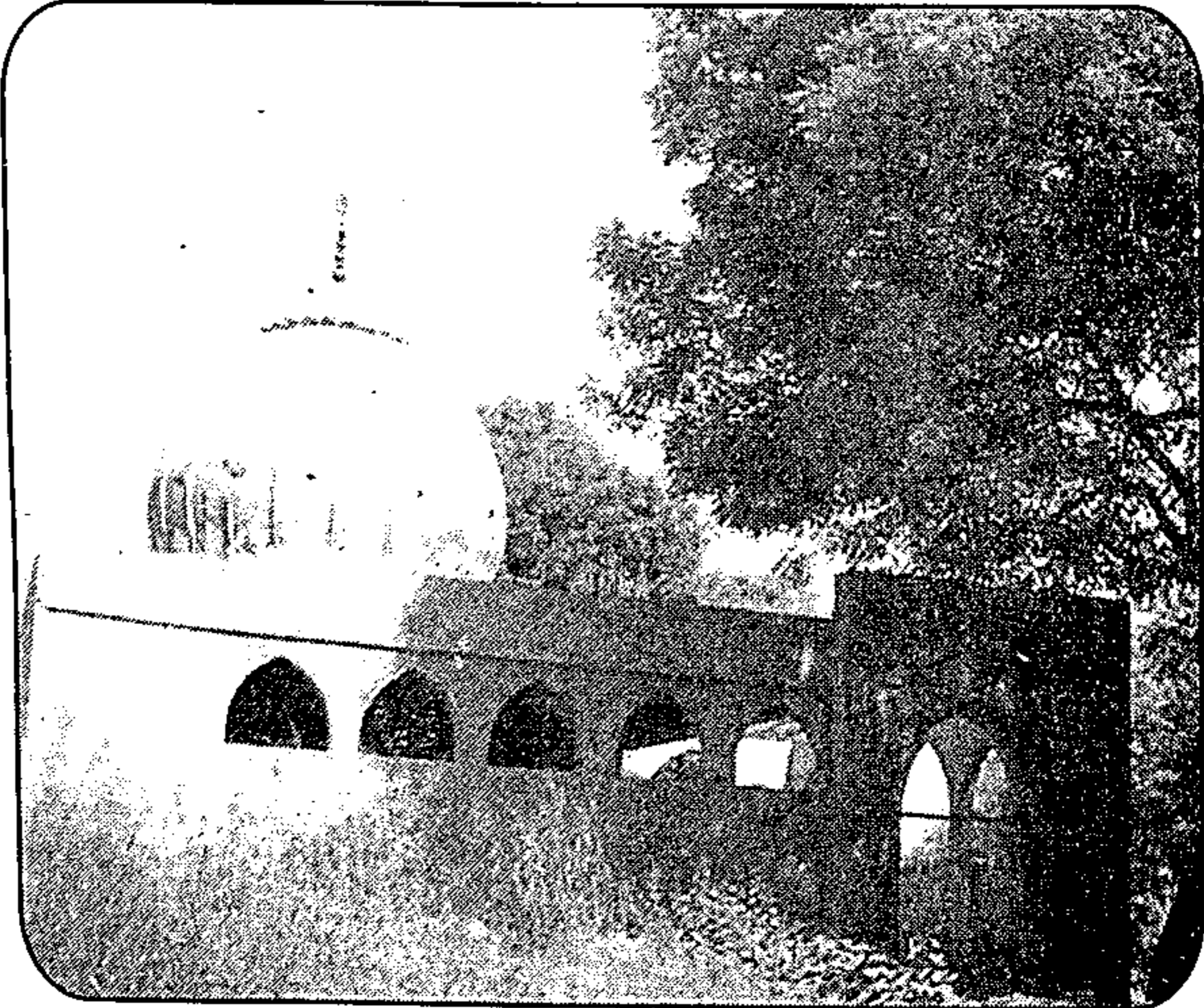
حضرت بی بی زلیخا صاحبہ کی درگاہ شریف کا گنبد، (ادھ چنی)
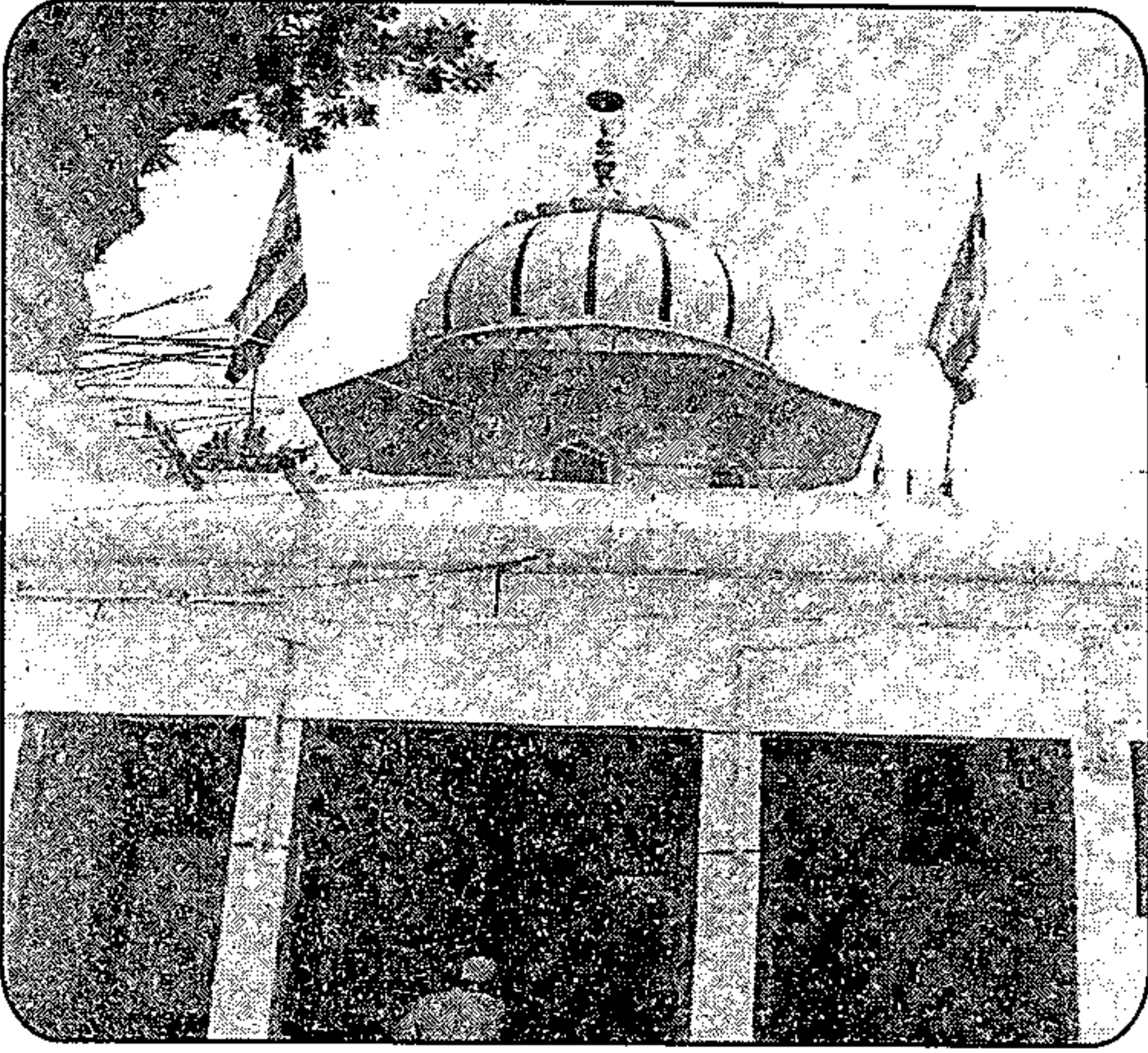
حضرت بی بی زلیخا صاحبہ کی درگاہ شریف کا برآمدہ، (ادھ چنی)
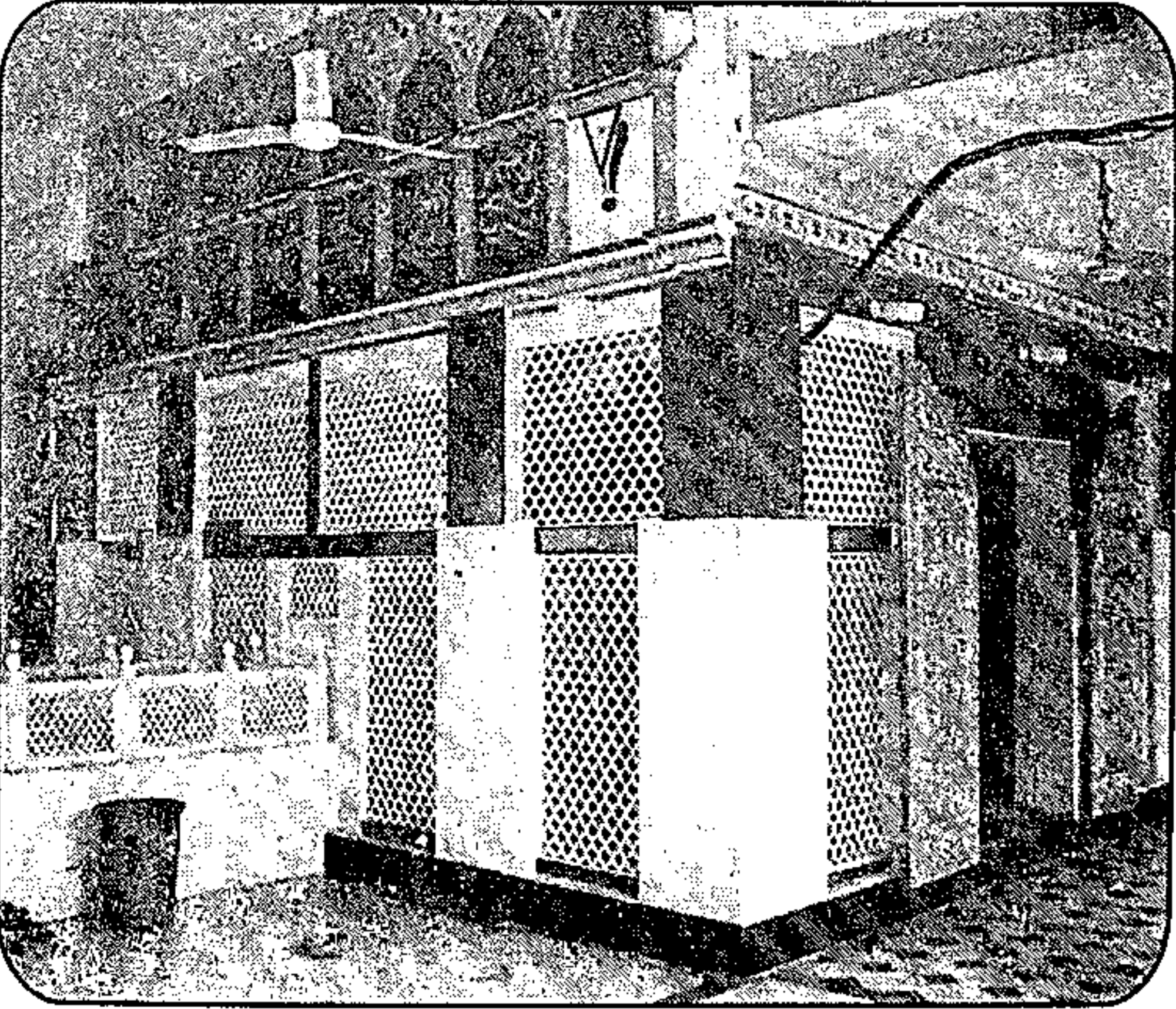
حضرت بی بی حور اور بی بی نور صاحبہ کی مزار مبارک، (ادھ چنی)
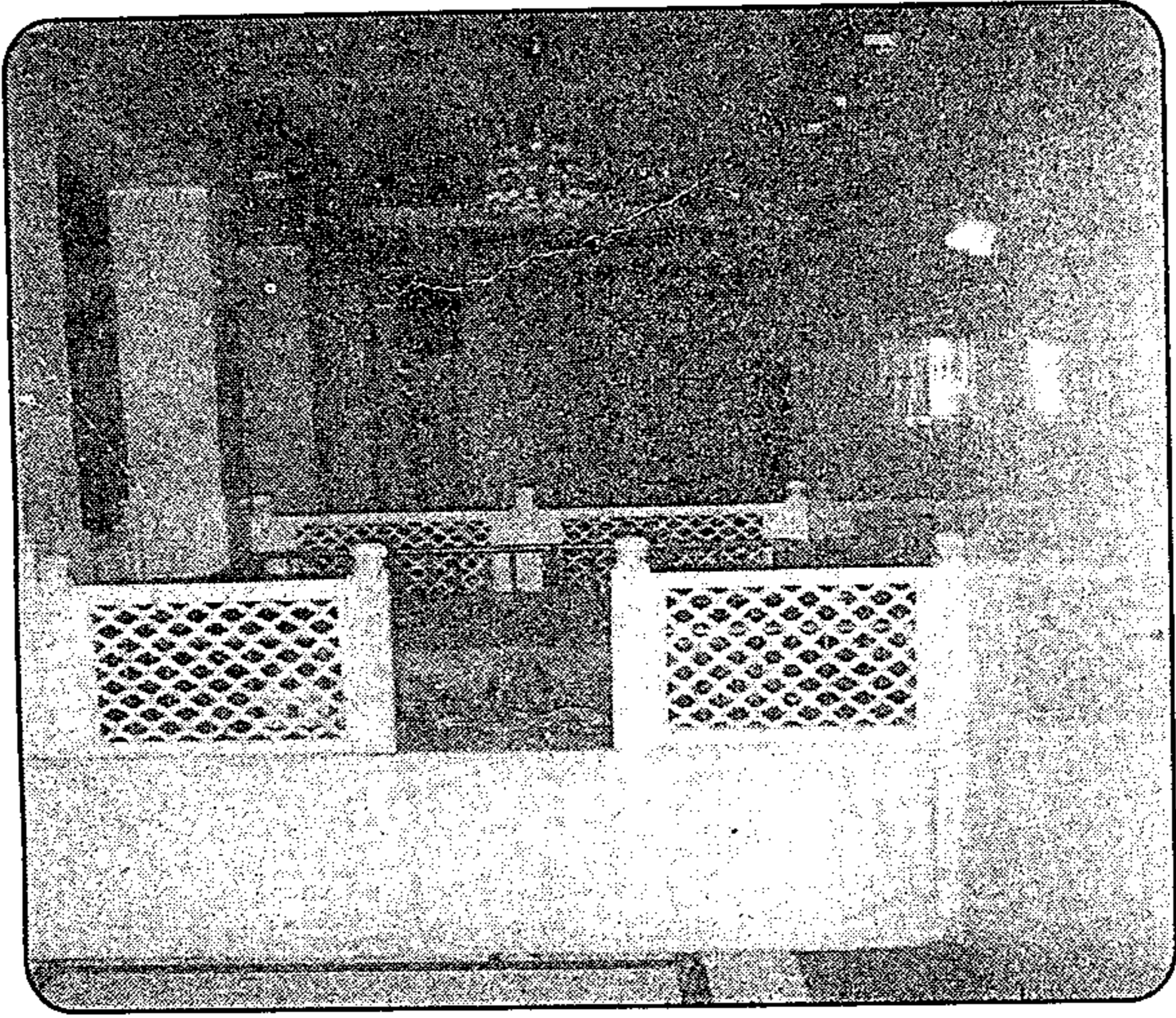
حضرت بی بی رقیہ صاحبہ کی مزار مبارک، (ادھ چنی)
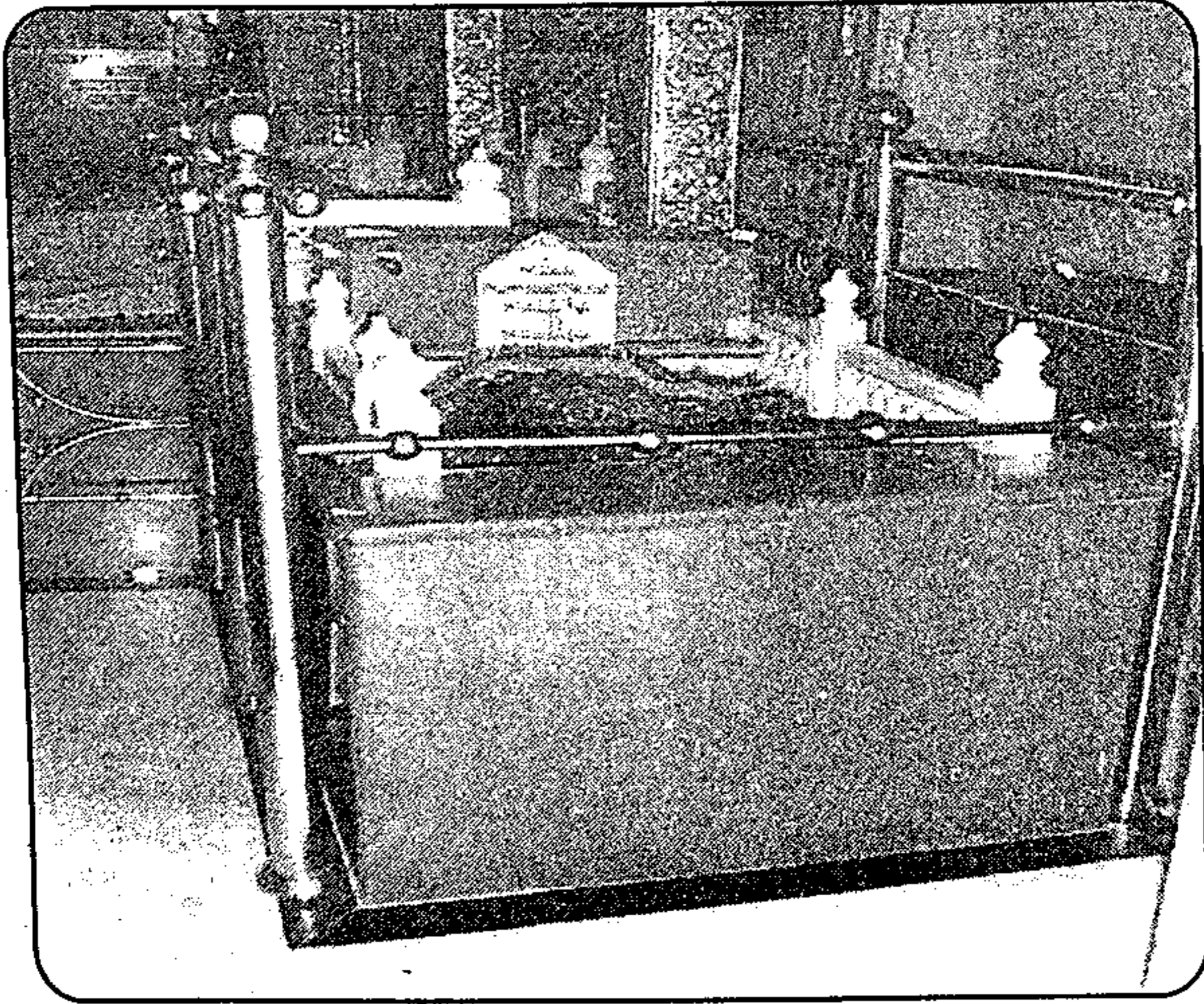
حضرت بی بی فاطمہ صاحبہ کی مزار مبارک کے اوپر تعمیر کردہ برآمدہ کا منظر

حضرت بی بی فاطمہ صاحبہ کی مزار مبارک، (ادھ چنی)

تصوف
اور
خواتین اولیاء دہلی
ڈاکٹر محمد حفظ الرحمن